التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، شمارہ ۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء

عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کا عمل

ڈاکٹر سید وحید الرحمٰن

ABSTRACT

Mankind has another fundamental need beyond the physical requirements of food and shelter, the need to communication with our fellow human beings. This urge for communication is a primal one and , in our contemporary civilization, a necessity for survival. The Islamic ideal is reflected in the development of Islamic law that compasses both the relationship between human being and God as well as relationship among human beings. Islam provide a normative system in which religion is viewed as major stimulus to every aspect of development. Communication in Islam is seen as a gift of God as an essential skill for the development and growth of the individual and self and society as well as its various institutions.

Islamic philosophy of communication, also comes to the forefront during the lifetime of the Prophet

Mohammad (Peace be upon him) and Sahaba-e-Karam (RA) (companions of the prophet) when transcribing and narrating the sayings of the Holy Prophet Therefore, with respect to this, in many books of the Hadith, there are so many specific verses on the basis of which it can be said that during that period there was a very powerful mechanism of communication. This communication applied to various activities and relationships among people that occurred during the daylight hours as well as the night. Through this process in which all the communication skill was used the message of Islam was spread not only for the Arabs of the seventh century it was spread and applicable to all humanity and at all future times. Through this communication mechanism it also show that the public communication of the Prophet is continuously timely and will not fade in popularity or importance and the Prophet Muhammad's communication skills led to spread of Islam.

اطلاعات کی آزادانہ فراہمی اور معلومات کا باہم تبادلہ عہد حاضر کی بنیادی ضروریات میں شمار ہو رہا ہے برق رفتار اطلاعاتی ٹیکنالوجی کی بدولت معاشروں میں نئے رویے اور نظریات جنم لے رہے ہیں آج اطلاعات کی آزادانہ فراہمی اور فرد کے جاننے کے حق Right to Know کو ساری دنیا میں بڑی اہمیت دی جارہی ہے اور یہی سبب ہے کہ اقوام متحدہ کے عالمی منشور برائے انسانی حقوق میں اطلاعات کی آزادی کو فرد کو بنیادی حق قرار دیا گیا ہے (۱) ۔

اسلامی ریاست و معاشرے کے تناظر میں فرد کے اس بنیادی حق کی اہمیت ،افادیت اور اس کے تحفظ پر غور کیا جائے تو اس حوالے سے قرآن کو ماخذ اول قرار پاتا ہے اور اس کے تحقیقی مطالعہ کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فرد کے جاننے کے حق اور معلومات تک رسائی کے عمل کے حوالے سے سورہ آل عمران میں سچ و جھوٹ کو خلط ملط کرنے، سچ میں جھوٹ کی آمیزش کرنے اور حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کرنے کے عمل کو ناپسندیدہ قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی ہدایت کی گئی ہے(۲) جو اطلاعات کی آزادی ،اطلاعات تک رسائی اور فرد کے جاننے کے حق کے حوالے سے بڑی بنیادی بات ہے اور اسی طرح عہد رسالت ﷺ میں جاننے کے اس حق کے حوالے سے نظر ڈالی جائے تو آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ پہنچاؤ میری طرف سے اگرچہ ایک ہی آیت ہی ہو(۳) فرد کے اس بنیادی حق کو تسلیم کرنے کے حوالے سے بڑی اہم حدیث ہے اس حدیث میں بیان کردہ حکم پر غور کیا جائے تو یہ بات پتہ چلتی ہے کہ اس حدیث میں پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ ہر فرد کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اس تک پہنچنے والی ہر بات کو دوسروں تک پہنچائے گا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ کے اس حکم کی رو سے ایک ایسی اسلامی ریاست اور معاشرہ کی داغ بیل ڈالی گئی ہے کہ جس میں اطلاعات و معلومات کی فراہمی اور اس تک رسائی ریاست کے ہر فرد کا حق تھی۔ حدیث مبارک کا ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ نہ صرف اس حدیث میں ابلاغ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے بلکہ پہنچانے کے اس حکم کا اطلاق صرف مسلمانوں یا اہل کتاب کی حد تک مخصوص و محدود نہیں ہے بلکہ ہر فرد خواہ وہ کافر ہو مشرک ہو، اہل کتاب میں سے ہو یا کسی بھی نظریے ، فلسفہ ، عقیدے کا ماننے والا ہو قول رسول ﷺ کا اس تک پہنچانے کے حکم کا اطلاق سب کے لیے یکساں شمار ہوگا بالکل اسی طرح یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ یہ حکم کسی خاص مدت، کسی خاص حالت، کسی خاص وقت یا کسی خاص ماحول و مقام کے لیے بھی نہیں تھا بلکہ اس حکم کا اطلاق مستقل بنیادوں پر ہوا اور یہ حکم آج بھی اسی صورت میں موجود ہے جو اس بات کا مظہر ہے کہ اسلامی معاشرے میں فرد تک اطلاع پہنچانے کے حق کو دائمی بنیادوں پر نہ صرف تسلیم کیا گیا ہے بلکہ ہر فرد اطلاعات کو عام کرنے کا فریضہ بھی انجام دے گا۔ جاننے کے اس حق کے حوالے سے

کتب احادیث کے تحقیقی جائزہ کی بنیاد پر صحیح بخاری کی ایک حدیث کو بڑی اہمیت کی حامل ہے امام بخاری نے بخاری شریف کے باب کتاب العلم میں ایک طویل حدیث رقم کی ہے چنانچہ وہ اس حدیث شریف میں بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: ہم سے بیان کیا مسدد نے کہا ہم سے بیان کیا بشیر نے کہا ہم سے بیان کیا ابن عنوان نے، انہوں نے ابن سیرین سے، انہوں نے عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے، انہوں نے اپنے باپ ابوبکرہ سے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ اونٹ پر بیٹھے تھے(منی میں دسویں ذی الحجہ کو) اور ایک آدمی اونٹ کی نکیل یا اس کی باگ تھامے تھے۔ آپ ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا یہ کون سا دن ہے۔ ہم لوگ چپ رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے کہ آپ ﷺ اس دن کا کچھ اور نام رکھیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ یوم النحر ہے، ہم نے عرض کیا کیوں نہیں یہ یوم النحر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے، ہم چپ رہے یہاں تک ہم سمجھے آپ ﷺ اس مہینہ کا نام ہے اس کے سوا اور کوئی اور نام رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے، ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، ذوالحجہ کا مہینہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر اس طرح سے حرام، جیسے تمہارے اس دن کی حرمت، اس مہینہ میں، اس شہر میں، جو یہاں حاضر ہے وہ اس کو خبر کردے جو غائب ہے کیونکہ جو حاضر ہے شاید وہ ایسے شخص کو خبر کردے جو اس بات کو اس سے زیادہ یاد رکھے۔(۴)

بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم(۵) ،ترمذی (۶) مسند امام احمد (۷)، الدارمی (۸) میں مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے آخری حصہ میں رسول کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ جو یہاں حاضر ہے وہ اس کو خبر کردے جو غائب ہے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام ایک ایسے فلسفہ ابلاغ کا قائل ہے کہ جس میں معاشرے کے ہر فرد تک اطلاع، علم یا معلومات کو دوسروں تک پہنچانا انتہائی ضروری ہے اور اسی طرح یہاں یہ بھی واضح ہورہا ہے کہ پہنچا دینے کا یہ حکم مطلق حکم تھا اس میں کوئی استثنیٰ موجود نہیں ہے۔

عہد رسالت ﷺ میں اطلاعات کا از خود/خودکار پھیلاؤ

عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کا عمل اور ابلاغ کی وسعت پذیری کے حوالے اگر جائزہ لیا جائے تو کتب احادیث کے تحقیقی جائزہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطلاع کے پھیلاؤ اور معلومات کی وسعت پذیری کے لیے بھی عہد رسالت ﷺ میں خاص اہتمام موجود تھا جو جامع، مکمل اور متواتر ابلاغ کے فروغ میں بڑا اہم کردار کا حامل تھا چنانچہ اس حوالے سے امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب کتاب العلم میں ایک اہم حدیث نقل کی ہے اس حدیث کے مطابق

ترجمہ: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (ﷺ) میں فرمایا تو جان رکھ کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اللہ نے علم کو پہلے بیان کیا اور (حدیث میں ہے) کہ عالم پیغمبروں کے وارث ہیں۔ پیغمبروں نے علم کا ترکہ چھوڑا جس نے علم حاصل کیا اس نے پورا حصہ (اس ترکہ کا) لیا اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی علم حاصل کرنے کے لئے رستہ چلے تو اللہ اس کے لئے بہشت کا راستہ آسان کردے گا اور اللہ نے فرمایا (سورۃ فاطر) میں اللہ کو اس کے وہی بندے سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں اور فرمایا (سورۃ عنکبوت میں) ان مثالوں کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں اور فرمایا وہ دوزخی کہیں گے اگر ہم پیغمبروں کی بات سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے اور (سورۃ زمر) میں فرمایا اے پیغمبر ﷺ کہہ دیں کہ کیا جاننے والے نہ جاننے والے دونوں برابر ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل جس کی بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے اور فرمایا علم سیکھنے سے ہی آتا ہے اور ابوذر نے کہا کہ اگر تم تلوار یہاں رکھو اور اشارہ کیا انہوں نے اپنی گردن کی طرف تو اس وقت بھی میں سمجھوں کہ (میری گردن مارنے سے پہلے) میں ایک ہی بات کرسکتا ہوں جو آنحضرت ﷺ سے میں نے سنی تو البتہ میں اس کو سنادوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا حاضر کو چاہیے کہ غائب کو میرا کلام پہنچاوے اور عباس نے کہا کہ تم ربانی بن جاؤ یعنی حلیم، بردبار عالم سمجھ دار۔ بعضوں نے کہا کہ ربانی سے لوگوں کو بڑی باتیں سکھانے سے پہلے چھوٹی چھوٹی دین کی باتیں ان کو سکھا کر تربیت دے۔(۹)

اس حدیث مبارکہ کے حوالے سے ۵ باتیں بڑی اہم بیان کی گئی ہیں جس کے تحت

۱۔ پیغمبر علیہ السلام کا ترکہ علم ہے۔

۲۔ عالم یا علم حاصل کرنے والے اس ترکہ کے وارث ہیں۔

۳۔ جس نے علم حاصل کرنے کی جستجو کی، سفر اختیار کیا، اس کے لئے بہشت کا راستہ آسان ہوا۔

۴۔ علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے دونوں برابر نہیں ہیں۔

۵۔ جو حاضر ہے رسول کی بات غیر حاضر کو پہنچاوے۔

ابلاغی نقطہ نظر اور اسلامی تصور ابلاغ کے تناظر میں یہاں اس حدیث مبارکہ میں جو سب سے اہم نکتہ بیان ہورہا ہے وہ علم کی وسعت اور اس کے پھیلاؤ کے حوالے سے بڑا اہم ہے چنانچہ حدیث مبارکہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اگر کوئی تلوار ان کی گردن پر رکھے اور مرنے سے قبل اگر انہیں کچھ کہنے کی اجازت یا نوبت میسر آئے تو وہ یہ بات سب کے علم میں لائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو حاضر ہے وہ میرا کلام غائب کو پہنچاوے ، یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا پوری شدومد کے ساتھ غائب فرد کو تعلیمات رسول ﷺ پہنچانے کی خواہش کا اظہار اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک آپ ﷺ کی جانب سے دی گئی ہدایات و حکم عام کرنا کتنا اہم تھا اور یقینی طور پر ایسا اس لیے تھا کہ آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ صحابہ کرام کو ابلاغ کی ہدایت و حکم دیا تھا۔ یہ عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کی اہمیت اور اس کی ضرورت ہی تھی کہ جس کے تحت ایک جانب جہاں توحید و رسالت اور اسلامی طرز معاشرت سے متعلق احکامات بیان کیے جاتے وہیں آپ ﷺ نے اس کا بھی اہتمام فرمایا کہ دیا گیا پیغام اور معلومات چند مخصوص افراد تک محدود نہ رہے اور ایسا نہ ہو کہ جو محفل رسول ﷺ میں حاضر تھا صرف وہی اس سے آگاہ رہے اور کوئی ایسا فرد جو وہاں موجود نہیں تھا اس تک علم کی بات نہ پہنچے چنانچہ ابلاغ کے عمل کو وسعت دینے کے لیے احکامات و ہدایات کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دے دیا گیا کہ جو بات سنو اسے دوسروں تک پہنچاؤ چنانچہ اس حکم کو صحابہ کرام نے اتنی اہمیت دی کہ اگر ان کا کوئی گلا کاٹنے کو تیار ہو اور تلوار ان کی گردن پر ہو اور

انہیں کچھ کہنے کی مہلت ملے تو وہ تعلیمات نبویﷺ اور انﷺ کے ارشادات کو اس موقع پر موجود افراد تک پہنچانے اور اسے بیان کرنا سب سے افضل جانیں۔

دوسری جانب اس جاری بحث کے تناظر میں اس حدیث مبارکہ کے تحقیقی جائزہ کی بنیاد پر یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ ابلاغ کا یہ طریقہ بنیادی اعتبار سے سینہ بہ سینہ یا منہ در منہ ابلاغ کے دائرہ میں آتا ہے جسکے تحت ہر صحابی رسولﷺ آپﷺ کے ارشادات مبارکہ کو سینہ بہ سینہ عام کرنے کے لیے متحرک رہتا تھا صحابہ کرام کے لئے اس بات کی بڑی اہمیت تھی کہ وہ رسول اللہﷺ کا پیغام ان افراد تک پہنچائیں کہ جو غیر حاضر تھے آج کے ابلاغی معاشرے میں Right to Know کا فلسفہ کے مطابق ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جوبات یا معلومات جاننا چاہے تو اسے ایسا میکنزم اور طریقہ کار موجود ہو کہ اسے مطلوبہ معلومات تک رسائی حاصل ہو اور اسے مکمل معلومات فراہم کردی جائیں (۱۰) اسلامی تصور ابلاغ اور فرد کے جاننے کے حق میں تناظر میں اگر عہد رسالتﷺ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات پتہ چلتی ہے کہ عہد رسالتﷺ میں آپﷺ نے صحابہ کرام پر لازم کردیا تھا کہ وہ بارگاہ رسالتﷺ سے جو نئی بات، نیا حکم، نئی اطلاع اور نئی معلومات حاصل کریں اسے فی الفور غیر حاضر افراد تک پہنچائیں گویا اس عمل کے ذریعے ایک ایسا میکنزم تشکیل پا گیا کہ اطلاعات کا مسلسل پھیلاؤ ہوتا رہا اور اس کے اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ ہر فرد کے لیے ابلاغ کا عمل واضح، مسلسل اور موثر ہو۔

عہد رسالتﷺ میں ہونے والے ابلاغ کے عمل اس کے لیے استعمال ہونے والے طریقہ کار اور اس کی اہمیت و افادیت پر نظر ڈالی جائے تو اس حوالے سے ایک انتہائی معتبر و مستند حدیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس عہد میں سینہ بہ سینہ یا منہ در منہ ابلاغ کا ایک موثر نظام موجود تھا کہ جو اپنی اثر پذیری کے حوالے سے بڑا اہم تھا چنانچہ اس حوالے سے امام بخاری نے بخاری شریف کے باب کتاب العلم میں ایک طویل حدیث رقم کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا کہا ہم سے غندر (محمد بن جعفر) نے بیان کیا کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا انہوں نے ابوجمرہ سے کہا میں عبد اللہ بن عباس اور بصرے کے لوگوں کے درمیان مترجم تھا، عبد اللہ بن عباس نے کہا عبدالقیس کے بھیجے ہوئے لوگ آنحضرتﷺ کے پاس آئے۔ آپﷺ نے فرمایا یہ کس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں؟ یہاں کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم ربیعہ والے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا مرحبا ان لوگوں کو یا ان کے بھیجے ہوئے لوگوں کو نہ ذلیل ہوئے نہ شرمندہ۔ وہ کہنے لگے ہم آپﷺ کے پاس دور کا سفر کرکے آئے ہیں اور ہمارے آپﷺ کے درمیان مضر کے کافروں کا یہ قبیلہ آڑ ہے اور ہم سوائے ادب کے اور دنوں میں آپﷺ کے پاس نہیں آسکتے اس لئے ہم کو ایک ایسی بات بتلا دیجئے جس کی خبر ہم پیچھے والوں کو کردیں اور اس کی وجہ سے ہم بہشت میں جائیں۔ آپﷺ نے ان کو چار باتوں کا حکم کیا اور چار باتوں سے منع کیا۔ ان کو اللہ واحد (اکیلے) پر ایمان لانے کا فرمایا، تم جانتے ہو اللہ واحد پر ایمان لانا کس کو کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا اللہ اور رسولﷺ خوب جانتے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا یوں گواہی دینا کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اور محمدﷺ اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور نماز کی درستی کرنا اور زکوٰۃ اور رمضان کے روزے رکھنا، لوٹ کے مال سے پانچواں حصہ داخل کرنا اور ان کو منع کیا کدو کے تونبے اور لاکھی برتن اور روغنی برتن سے، شعبہ نے کہا کہ ابوجمرہ نے کبھی تو کہا اور کریدے ہوئے لکڑی کے برتن سے اور کبھی کہا (مزفت کے بدل) مقیر آپﷺ نے فرمایا اس کو یاد کرلو اور اپنے پیچھے والوں کو اس کی خبر کردو۔ (۱۱)

واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۱۲)، ترمذی (۱۳)، نسائی (۱۴)، مسند امام احمد (۱۵)، اور ابوداود (۱۶) پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں عہد رسالتﷺ میں رائج ابلاغی فلسفہ کے جن بنیادی نکات کی وضاحت ہو رہی ہے اس کے تحت یہ بات بڑی واضح ہوتی ہے کہ عہد رسالتﷺ میں ابلاغ کا عمل منہ در منہ یا بین الشخصی کے ساتھ ساتھ قبیلہ در قبیلہ یا گروہ در گروہ بھی ہوا کرتا تھا۔

اس حدیث کے بنیادی اور غور طلب نکات حسب ذیل ہیں:

۱- عہد رسالتﷺ میں ابلاغ کا عمل گروہ در گروہ یا قبیلہ در قبیلہ ہوا کرتا تھا۔

۲- عہد رسالتﷺ میں پیغام کو واضح، عام اور موثر بنانے کے لئے مترجم موجود تھے۔

۳- عہد رسالت ﷺ میں پیغام یا اطلاعات و تعلیمات کو عام کرنے کے لئے سفر کرنے والوں کو آپ نے نہ صرف مبارکباد دی بلکہ ان کے ذلت و شرمندگی سے بچنے کی پیشگوئی اور بشارت بھی فرمائی جس سے ترغیب ملی اور ابلاغ کو عمل وسعت اختیار کرتا گیا۔

۴- تعلیمات کو عام کرنے کے لئے صحابہ کرام نے جانوں کا خطرہ بھی مول لیا اور کفار و مشرکین کے درمیان سے گزر کر اطلاعات کو عام کرنے کے جذبے سے سفر اختیار کیا۔

۵- وفود اطلاعات کو عام کرنے کی نیت سے ہی حاضر ہوا کرتے تھے۔

۶- صحابہ کرام اطلاعات و تعلیمات کو عام کرنے اور ان کو دوسروں تک پہنچانے کے عمل کو بہشت میں جانے کا سبب گردانتے تھے۔

۷- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دی گئی تعلیمات کو یاد کرلو اور لاعلم افراد کو اس کی خبر کر دو۔

ان نکات کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ابلاغ کا عمل براہ راست منہ در منہ اور قبیلہ در قبیلہ ہوا کرتا تھا جبکہ ابلاغ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے اور پیغام کی ماخذ سے منزل تک موثر رسائی کے لئے مترجم بھی موجود ہوتے تھے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے آج تمام ابلاغی ماہرین پیغام کے موثر اور قابل عمل ہونے کے لئے پیغام کا واضح اور آسان اور عام فہم ہونا شرط اول قرار دیتے ہیں (۱۷) اس حدیث مبارک میں حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں عبداللہ بن عباس اور بصرے کے لوگوں کے درمیان مترجم تھا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ تعلیمات خداوندی اور ارشادات نبوی ﷺ کی موثر اور عام فہم انداز میں تشریح کے لیے آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ مترجم تعینات کیے تھے اور ان مترجم کا بنیادی کام یہی تھا کہ وہ احکامات الٰہی اور ارشادات رسول ﷺ کا ابلاغ ان افراد تک کریں کہ جو عربی سے ناواقف تھے اور یہی سبب ہے کہ جب ابلاغ سادہ، آسان اور عام فہم انداز میں ہوا تو وہ بدو قبائل جو لکھنے پڑھنے سے ناواقف تھے موثر ابلاغ کی سبب اسلام کے قریب آتے گئے۔ دوسری جانب اس حدیث سے یہ بات بھی ظاہر ہورہی کہ عبدالقیس کا وفد کا آنا باضابطہ طور ابلاغ کے فروغ کے حوالے سے تھا یا دوسرے معنوں میں اس وفد نے یہ سفر

صرف اس نیت سے اختیار کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر ان سے کچھ تعلیمات حاصل کریں چنانچہ یہی سبب ہے کہ وفد نے اپنے آنے کا جو مقصد بیان کیا ہے اس میں دو باتیں بڑی اہم ہیں اول یہ کہ وہ اس لیے حاضر ہوئے کہ بارگاہ رسالت ﷺ سے علم حاصل کریں اور دوئم یہ کہ واپس جاکر اس علم کا ابلاغ کریں یعنی دوسروں تک اس علم کو پہنچائیں۔ یہ حدیث عہد رسالت ﷺ کے دور کی ابلاغی حکمت عملی اور اس پر عملدرامد کے طریقہ کار کا مظہر قرار دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس حدیث مبارک میں وفد کے بھجوائے جانے کا ذکر بھی موجود ہے حدیث مبارک کے مطابق آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ کس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں تو کہا گیا کہ یہ عبدالقیس قبیلے کے لوگ ہیں جس سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اس بات کا خاص اہتمام و ہدایت تھی کہ وہ قبائل جو اسلام لاچکے ہیں وہ تعلیمات کا عام کرنے کے لیے اپنے وفود روانہ کریں آنے والے وفد کا یہ کہنا کہ وہ بھیجے گئے ہیں اس بات کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں خصوصیت کے ساتھ یہ اہتمام تھا کہ مسلمان قبائل گروہی بنیادوں پر ابلاغ کریں۔

یہاں اس حدیث مبارک سے یہ بات بھی واضح ہورہی ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کے لیے باقاعدہ مہم یعنی کیمپین کے تحت اطلاعات عام ہوتی تھیں حدیث مبارک میں تنہا کسی فرد کے آنے کے ذکر نہیں ہے بلکہ باضابطہ وفد کا ذکر آیا ہے یہ وفد ۵ افراد کو بھی ہوسکتا ہے یا اس سے زائد کا بھی تاہم یہ واضح ہے کہ آنے والے افراد کی تعداد زیادہ تھی یہاں اس حدیث مبارک کے مطابق وفد کا یہ کہنا کہ وہ جاکر لوگوں کو علم کی باتیں بتائیں گے اس بات کی جانب اشارہ کررہا ہے کہ یہ تمام افراد جو تعداد میں زیادہ تھے مختلف آبادیوں میں پھیل کر تعلیمات نبوی ﷺ کو عام کرنے کے منصوبے کے تحت بھی آئے تھے۔ آج کے جدید ابلاغی تصورات کے تحت باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ مختلف افراد کا کسی ایک خاص نقطہ پر ارتکاز اور اس سے متعلق افراد کو قائل کرنے کے لیے ان سے رابطے کرنا ،انہیں راغب کرنا مہم کے زمرے میں آتا ہے (۱۸) اور اس حدیث مبارک سے یہ بات واضح ہوئی کہ عہد رسالت ﷺ میں باقاعدہ مہم کے سے انداز میں ابلاغ کا یہ عمل طے شدہ نتائج کے حصول کے لیے کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی تناظر

میں فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا خطبہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے ایک جانب جہاں یہ خطبہ انسانی حقوق کے عالمگیر چارٹر، اسلامی اخوت اور حقوق العباد کے حوالے سے تاریخی دستاویز کی حیثیت کا حامل ہے وہیں دوسری جانب اس خطبہ میں آپ ﷺ نے اس تاریخی خطبہ کی تشہیر اور اسے غیر حاضر افراد تک پہنچانے کی بھی خاص ہدایت کی یہاں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس خطبہ کے ذریعے دی گئی تعلیمات کو عام کرنے کا جو باضابطہ حکم دیا یہ حکم کتنی اہمیت کا حامل تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صاحب بخاری نے بخاری شریف میں اس خطبہ کو نقل کرنے کے لیے جو عنوان منتخب کیا اس کا نام انھوں نے یہ رکھا کہ جو شخص سامنے موجود ہو وہ علم کی بات اس کو پہنچائے جو غائب ہو (۱۹) واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۲۰)، ترمذی (۲۱) نسائی (۲۲)، مسند امام احمد (۲۳)، پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بنیادی بات واضح ہوتی ہے کہ رسول ﷺ نے اس بات کی تلقین بطور خاص کی جو شخص علم کی بات سنے یا جانے اس کے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس علم کی بات کو اپنے تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کا ابلاغ کرے اور اسے دوسروں تک پہنچائے۔

ابلاغ کے حوالے سے جاری اس بحث کے تناظر میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ ابلاغ میں عمل میں ابلاغی رکاوٹوں کو بڑی اہم کردار ہے ماہرین ابلاغ ابلاغی عمل کی اثر پذیری میں ان رکاوٹوں کے کردار کو بہت اہم گردانتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں اگر ابلاغ کی رکاوٹیں زیادہ ہوں تو اس معاشرے میں پیغام کا موثر ہونا اور قابل عمل ہو کر ایک بہتر معاشرہ کی تشکیل کرنا پیچیدہ بنا دیتا ہے اسی طرح ابلاغ کے عمل کی بنیادی رکاوٹوں کے حوالے سے زبان کا باہم ہونا یا زبان یا پیغام کا سمجھ میں آنا، تجربہ کا یکساں ہونا اور اسی تناظر میں ماحول کا یکساں ہونا بڑی اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے چنانچہ یہی سبب ہے کہ ممتاز ماہر ابلاغ ڈاکٹر مہدی حسن ابلاغ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے حوالے سے اپنی کتاب جدید ابلاغ عام میں ابلاغ کی راہ میں طبعی اور نفسیاتی رکاوٹوں کی درجہ بندی کرتے ہیں جس کے تحت ان رکاوٹوں میں زبان و بیان، محدود تجربہ، تقلیدی طرز فکر تہذیبی و ثقافتی روایات مذہب، عقائد اور سیاسی گروہ بندیوں کو بھی

ابلاغ کے عمل کے موثر ہونے کی راہ میں رکاوٹ کا اہم سبب قرار دیا گیا ہے۔(۴۴) جبکہ ممتاز ماہر ابلاغیات کنور محمد دلشاد نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

زبان کی رکاوٹ دراصل ابلاغ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ایسی رکاوٹ اس وقت پیش آتی ہے جب سننے والا یا پڑھنے والا اپنی مخصوص علمی سطح یا قابلیت کی بناء پر بولنے والے یا لکھنے والے کے مفہوم کو اس طرح نہ سمجھے کہ جیسا کہ سمجھا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ پیچیدہ اور مشکل مسائل کو ہی زبان کی رکاوٹ کی سے غلط سمجھا جاتا ہے بلکہ چھوٹے روزمرہ کے مسائل کو بھی زبان کی رکاوٹ کی وجہ سے غلط سمجھا جاتا ہے۔(۴۵)

ابلاغ کی راہ میں زبان کو بطور رکاوٹ قرار دیئے جانے کے حوالے سے ماہرین ابلاغیات کے نقطہ نظر کی وضاحت کے بعد جب ہم عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کے عمل میں حائل رکاوٹوں کو دیکھتے ہیں تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ابلاغ کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو بڑی حکمت کے ساتھ حل کیا چنانچہ ان رکاوٹوں کے حل اور اسی تناظر میں کئے گئے اقدامات کے طفیل پیغام رسالت ﷺ نے بڑی تیزی سے اپنا سفر کیا اور بہت جلد اسلام کا ابدی پیغام ابلاغی رکاوٹوں کے نہ ہونے کے سبب سب کے لیے قابل قبول ہوتا چلا گیا چنانچہ اس حوالے سے آپ ﷺ نے جو اقدامات کیے اس کی تصدیق کتب احادیث میں رقم جن احادیث مبارکہ سے ہوتی ہے اس کے تحت امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب کتاب الاحکام باندھا ہے۔ اس باب میں امام بخاری نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے تحت وہ بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ: خارجہ بن زید بن ثابت سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہودیوں کی تحریر سیکھنے کا حکم دیا تو زید آنحضرت ﷺ کے خط جو آپ ﷺ ان یہود کو لکھواتے تھے اور یہود کے خط جو آپ ﷺ کے پاس آتے پڑھ کر سناتے اور حضرت عمر نے (عبدالرحمن حاطب سے) کہا کہ یہ لونڈی (ثوبیہ) کیا کہتی ہے۔ اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور عثمان بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کہتی ہے کہ فلاں غلام (برغوس) نے مجھ سے زنا کیا۔ ابوجمرہ نے کہا میں ابن عباس اور لوگوں کے بیچ میں مترجم رہا کرتا اور بعض لوگ (امام محمد اور امام شافعی) کہتے حاکم کے سامنے ترجمہ کرنے کے لئے کم سے کم دو مترجموں کا ہونا

ضروری ہے۔(۲۶)

اس حدیث مبارکہ میں درج ذیل نکات ابلاغ کے عمل کے حوالے سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ یہودیوں کی زبان سیکھنے اور تحریر میں عبور حاصل کرنے کا حکم دیا گیا
۲۔ ابلاغ کا عمل بذریعہ خط و کتابت بھی ہوتا اور باقاعدہ اس کے لیے افراد مقرر تھے
۳۔ ابلاغ کا عمل یکطرفہ نہیں ہوتا تھا خطوط کا باقاعدہ تبادلہ ہوتا تھا
۴۔ ابلاغ مکمل کرنے اور کسی بھی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ایک سے زائد ابلاغی ماہر دربار رسالت ﷺ میں موجود ہوتے تھے۔

اس اہم ترین حدیث مبارکہ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ابلاغی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ان صحابہ کرام کو باضابطہ طور پر موجود رکھا کہ جو زبان و بیان پر عبور رکھتے تھے گویا بارگاہ رسالت ﷺ میں ہمہ وقت ابلاغی ماہر موجود رہا کرتے تھے جبکہ ابلاغی مہارت کے حصول کے لیے یہ خاص انتظام بھی ہوا کہ عربی کے علاوہ دوسری زبان پر عبور حاصل کرنے کی ہدایت بھی کی گئی چنانچہ یہی سبب ہے کہ اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر یہ حکم دیا کہ وہ یہودیوں کی زبان سیکھیں۔ بنیادی اعتبار سے یہ حکم اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان قبائل اور قوموں میں جو کہ عربی نہیں جانتے تھے میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ایسے افراد مقرر کئے کہ جو انہیں ان کی زبان میں تبلیغ کر سکیں۔ ابلاغ کے عمل میں یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے اور گزشتہ صفحات میں ہم نے ابلاغی ماہرین کے اس فلسفہ کی وضاحت بھی کی کہ کسی بھی پیغام یا اطلاع کے عام ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جو پیغام یا تعلیم دی جاری ہو وہ سننے والے کی سمجھ میں باآسانی آسکے اگر کوئی پیغام یا معلومات ایسی زبان میں ہو کر جو اس کے سامع یا اس کی منزل کے لیے غیر مانوس ہو، مبہم یا پیچیدہ ہو تو یقینی طور پر وہ سننے والے کی سمجھ میں نہیں آسکے گی اور جب پیغام یا بات سننے والے کو سمجھ نہ آسکے تو لازمی طور پر ابلاغ نامکمل رہے گا اور پیغام کی افادیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس ابلاغی رکاوٹ کو

دور کرنے کے لئے صحابہ کرام کو دیگر زبانوں اور تحریروں پر دسترس حاصل کرنے کا حکم دیا اور یہ اسی حکمت ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات چونکہ ہر فرد کی زبان میں موجود تھیں تو ان تعلیمات کو سننے، سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں دیر بھی نہیں لگی اور تعلیمات تیزی سے مقبول ہوتی گئیں۔

عرب معاشرہ کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس معاشرہ کی اپنی اقدار تھیں جن کے تحت ذات پات، رنگ و نسل اور مرتبہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی یہی سبب ہے کہ اس دور میں آقا غلام اور باندی کے تصور کو عرب معاشرہ کا لازمی جزو تصور کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ابلاغ کے عمل کو معاشرتی اقدار اور روایات سے مکمل طور پر ہم آہنگ رکھنے کے لیے صرف بیانیہ ابلاغ و تبلیغ کو کافی نہیں سمجھا بلکہ عرب روایات کے مطابق قاصد بھیج کر دستاویزی و تحریری بنیاد پر خطوط کی شکل میں تبلیغ کی گئی چنانچہ قیصر و کسریٰ (ایران و روم) بادشاہوں کے نام خطوط کا لکھا جانا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ نے ایران کے بادشاہ اور روم کے شہنشاہ کے منصب کے پیش نظر وہاں بیانیہ تبلیغ کے مقابلے میں تحریری ابلاغ کو اہمیت دی اور باضابطہ خط تحریر کیا۔(۲۷)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابلاغ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے تناظر میں معاشرتی اقدار و روایات کا متصادم ہونا بڑی رکاوٹ میں شمار ہوتا ہے مثال کے طور پر اگر پیغام وصول کنندہ کی معاشرتی و سماجی روایات سے متصادم ہو تو سننے والا اس پیغام کو قبول کرنے میں نہ صرف تامل کرتا ہے بلکہ ایسے پیغام کی اثر پذیری بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس طرح ابلاغ کا عمل رک جاتا ہے۔ ماہرین ابلاغ، تہذیبی، معاشرتی و سماجی اقدار کا پیغام سے متصادم ہونا ابلاغ کی راہ میں بڑی رکاوٹ سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ممتاز ماہر ابلاغ ڈاکٹر مہدی حسن لکھتے ہیں:

"انسان جس ماحول اور جس معاشرے میں زندگی گزارتا ہے اس کی روایات اس کے خون میں رچ بس جاتی ہیں اور اس کی روزمرہ شخصیت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف علاقوں کی ثقافتی روایات میں بعض باتیں بڑی اہم ہوتی ہیں بعض علاقے کے لوگ اپنی مہمان نوازی کیلئے بڑی شہرت رکھتے ہیں بعض علاقے بہادر لوگ پیدا کرنے کیلئے مشہور ہوتے

ہیں مختلف تہذیبوں میں یہ فرق اور ثقافتی روایات کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا ابلاغ کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور مختلف روایات کے تحت زندگی بسر کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو سمجھنے میں اکثر ناکام رہتے ہیں۔" (۲۸)

اس فلسفہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ کنور محمد دلشاد اپنی کتاب ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے میں لکھتے ہیں۔

"ہر معاشرے کی کچھ خاص اقدار ہوتی ہے جو اس کے اعمال بڑی حد تک اثر انداز ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں غیر مادی تبدیلیاں لانا اور مادی تبدیلیوں کو اپنانا خاصا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس کا تعلق انسان کے خیالات و عقائد سے ہوتا ہے جسمیں تبدیلی بڑی آہستہ واقع ہوتی ہے ویسے بھی لوگ جن معمولات پر اپنے بزرگوں کو بچپن سے عمل پیرا ہوتے دیکھ رہے ہیں اور خود بھی عمل کر رہے ہیں ان کو ترک کر دینا خاصا مشکل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ پرانی اقدار رسم و رواج بڑی حد تک معاشرتی تبدیلیوں میں رکاوٹ بنتی ہیں (۲۹)

یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی پیغام کے موثر اور قابل عمل ہونے کیلئے اس پیغام کا اس معاشرے کی سماجی، ثقافتی، تہذیبی روایات اور اقدار سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے اگر دیا گیا پیغام اس معاشرے کی اقدار و روایات سے ہم آہنگ نہ ہو تو پھر پیغام قابل قبول اور موثر نہیں ہو سکے گا اور جب پیغام مقبول نہیں ہو پائے گا تو لامحالہ وہ موثر بھی نہیں ہو سکے گا اور ایسی صورت میں پیغام کا مقصد فوت ہو جائے گا چنانچہ اس تناظر میں جب عہد رسالت ﷺ کی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو بات سامنے آتی ہے کہ عرب معاشرہ چونکہ بنیادی اعتبار سے روایت پسند اور قدامت پسند معاشرہ تھا بلکہ بلا مبالغہ اس معاشرہ کو ہم تقلیدی معاشرہ قرار دے سکتے ہیں اس معاشرہ میں اجداد کا قول و فعل بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ یہی سبب تھا کہ تقلیدی طرز فکر کے سبب کوئی بھی نئی بات، تعلیم تبلیغ یا نیا پیغام آسانی سے قبول نہیں ہو پاتا تھا وہاں کے لوگ صاف کہتے تھے کہ بھلا ہم ان بتوں کی پوجا چھوڑ دیں کہ جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ ایسے تقلیدی معاشرہ میں نئی تعلیمات جو سابقہ تعلیمات، عقائد، نظریات اور عبادات سے یکسر مختلف و متصادم تھیں کو قابل قبول بنانے کے لیے آپ ﷺ

نے اس معاشرے کے تمام سماجی، تہذیبی اور معاشرتی اقدار کا پاس رکھا اور اس بات کو یقینی بنایا کہ ابلاغ کی راہ میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہ آنے پائے چنانچہ اس بات کی تصدیق عہد رسالت ﷺ میں ظہور پذیر ہونے والے اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جس کا ذکر امام بخاریؒ نے صحیح بخاری شریف میں باب کتاب الاحکام میں کیا ہے چنانچہ اس حوالے سے وہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں وہ بیان فرماتے ہیں۔

ترجمہ:- مجھ سے محمد بن بشار نے بیان کیا ہم سے غندر محمد بن جعفر نے کہا ان سے شعبہ بن حجاج نے کہا میں نے قتادہ سے سنا انہوں نے انس بن مالک سے انہوں نے کہا کہ جب سن ۶ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے روم والوں کو پروانہ لکھنا چاہا تو صحابہ کہنے لگے روم والے اسی خط کو پڑھتے ہیں (قابل اعتبار سمجھتے ہیں) کہ جس پر مہر لگی آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر چاندی کی ایک مہر بنوائی میں اس وقت اس کی چمک دیکھ رہا ہوں اس کا کندہ یہ تھا محمد رسول اللہ (ﷺ)۔(۳۰)

واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۳۱)، ترمذی (۳۲)، نسائی (۳۳) مسند امام احمد (۳۴) اور ابوداود (۳۵) پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے عرب دستور کے مطابق تبلیغ دین کیلئے خط و کتابت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ پیغام کی راہ میں معاشرتی تہذیبی اور ثقافتی اقدار رکاوٹ نہیں بنی چاہیے چنانچہ حدیث کے مطابق جب صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ اہل روم کی یہ روایت ہے کہ وہ صرف اس خط یا عبارت کو معتبر گردانتے ہیں کہ جس پر خط لکھنے والے کی مہر ثبت ہو تو آپ ﷺ نے اہل روم کی روایتی و معاشرتی اقدار کا پاس کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس پر اپنا نام نامی اسم گرامی کندہ فرمایا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے اس عمل کے ذریعے یہ بات واضح کردی کہ اسلام کا فلسفہ نہ صرف ہر ماحول اور معاشرہ کے لیے ہے بلکہ لچک اور بردبارانہ طرز عمل اپنانا اسلام کے اصولوں کے عین مطابق ہے یہاں شدت پسندی کے رجحان کی نفی بھی

ہوتی ہے اور یہ تصور واضح ہوتا ہے کہ اسلام معروضی حالات اور جدید تقاضوں کے تحت طرز عمل اپنانے کی مخالفت نہیں کرتا۔

عہد رسالت ﷺ میں ابلاغی شرائط وضابطوں کی تکمیل وتصدیق

ماہرین ابلاغ کسی بھی پیغام کے قابل عمل اور قابل قبول ہونے کے حوالے سے جو بنیادی شرائط بیان کرتے ہیں اس کے تحت ان کا کہنا ہے کہ اگر ان شرائط کی تکمیل صحیح طریقہ سے ممکن ہو تو پیغام نہ صرف اثر پذیر ہوتا ہے بلکہ اس سے حسب منشاء نتائج بھی حاصل ہوتے ہیں چنانچہ اس حوالے سے کنور احمد دلشاد لکھتے ہیں کہ۔

"ماہرین ابلاغ عامہ کیلئے فن ابلاغ کا مکمل علم ہونا بہت ضروری ہے اس کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کسی طرح سننے یا پڑھنے والے پر وہی کیفیت یا تاثر پیدا کرے کہ جو وہ پیدا کرنا چاہتا ہے ظاہر ہے جب قارئین یا سامعین تک صحیح صحیح پیغام نہیں پہنچے گا تو مطلوبہ رد عمل حاصل نہ ہو سکے گا ابلاغ عامہ میں مناسب اور موزوں الفاظ کا چناؤ اور استعمال ہی در اصل ماہرین ابلاغ عامہ کی کامیابی کی ضمانت ہے۔(۳۶) ممتاز ماہر ابلاغ ڈاکٹر مہدی حسن جدید ابلاغ عامہ میں اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔

"کسی بھی پیغام کے موثر اور قابل قبول ہونے کیلئے ضروری ہے کہ

(الف) پیغام متعلقہ ہدف تک پہنچ جائے۔

(ب) پیغام اتنا پرکشش ہو کہ متعلقہ عوام اسے دیکھنے، سننے یا پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔

(ج) پیغام کی ساخت ایسی ہو کہ وہ متعلقہ ہدف کو متاثر کر سکے۔(۳۷)

اس فلسفہ کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم عہد رسالت ﷺ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے جو ابلاغی حکمت عملی اپنائی وہ اتنی جامع اور پر اثر تھی کہ اس نے مختصر سے عرصے میں اپنے تمام اہداف حاصل کر لیے اس بات کی تصدیق بخاری شریف سمیت دیگر کتب احادیث میں درج اس حدیث سے ملتی ہے جس کے تحت ایک دیہاتی نے

آپ ﷺ کی بارگاہ میں آکر آپ ﷺ سے ان باتوں کی تصدیق کی کہ جو انہوں نے آپ ﷺ کے بھیجے گئے ایلچی کے ذریعے سنی تھیں چنانچہ امام بخاری باب کتاب العلم میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

ترجمہ : ہم سے بیان کیا موسیٰ بن اسماعیل نے کہا ہم سے بیان کیا سلیمان بن مغیرہ نے کہا ہم سے ثابت نے بیان کیا انہوں نے انس سے وہ کہتے تھے ہم کو تو قرآن میں آنحضرت ﷺ سے سوالات کرنا منع ہوا تھا اور ہم یہ بہت پسند کرتے تھے کہ کوئی شخص دیہات سے آئے (جس کو اس ممانعت کی خبر نہ ہو) وہ آپ ﷺ سے سوالات کرے ہم سنیں آخر دیہات والوں میں سے ایک شخص آن پہنچا اور کہنے لگا آپ ﷺ کا ایلچی ہمارے پاس پہنچا اس نے یہ بیان کیا آپ ﷺ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو بھیجا؟ آپ ﷺ نے فرمایا سچ کہا ہے پھر کہنے لگا اچھا آسمان کس نے بنایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے۔ پھر کہنے لگا زمین کس نے بنائی؟ اور پہاڑ کس نے بنائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تب اس نے کہا پھر قسم اس (اللہ) کی جس نے آسمان بنایا زمین کو بنایا اور پہاڑوں کو کھڑا کیا اور ان میں فائدے کی چیزیں بنائیں کیا آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا آپ ﷺ کے ایلچی نے کہا کہ ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہم اپنے مالوں سے زکوٰۃ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا تب وہ کہنے لگا تو قسم اس کو جس نے آپ ﷺ کو بھیجا کیا اللہ نے آپ ﷺ کو ان باتوں کا حکم دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر اس نے کہا کہ آپ ﷺ کا ایلچی کہتا ہے کہ ہم پر سال بھر میں ایک مہینے کے روزے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا سچ کہتا ہے تب وہ کہنے لگا قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا کیا اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر کہنے لگا اور آپ ﷺ کے ایلچی نے یہ کہا کہ ہم پر حج فرض ہے یعنی اس پر جو کوئی وہاں تک پہنچنے کا راستہ پائے آپ ﷺ نے فرمایا سچ کہا تب وہ کہنے لگا تو قسم اس کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا کیا اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تب اس نے کہا قسم اس (اللہ) کی جس نے آپ ﷺ کو سچائی کے ساتھ بھیجا میں ان کاموں پر کچھ بڑھاؤں گا نہ صرف میں کمی کروں گا یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ سچ بولتا ہے تو ضرور بہشت میں

جائے گا۔ ۳۸

عہد رسالت ﷺ میں پیغام کا بلا رکاوٹ منزل تک پہنچنا اور کامل ابلاغ کی تصدیق

اس حدیث مبارکہ کے حوالے سے چند اہم نکات ہماری موضوع کی کامل وضاحت کرتے ہیں چنانچہ ان نکات کے مطابق:

۱۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کا عمل بغیر کسی ابلاغی رکاوٹ کے جاری رہتا تھا چنانچہ اس حدیث میں اس شخص کا بار بار یہ پوچھنا کہ آپ ﷺ کا ایلچی یہ کہتا ہے اور اس کے سوال پر آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہاں سچ کہتا ہے اس بات کی تصدیق کرتا ہے آپ ﷺ نے ابلاغ کے عمل کیلئے جس ایلچی کو نامزد کیا اس نے بالکل ٹھیک ٹھیک طریقے سے پیغام منزل تک پہنچا دیا تھا بالفرض اگر پیغام پہنچنے میں کہیں کوئی کمی بیشی یا ابہام ہوتا تو یقیناً آپ ﷺ اس دیہاتی سے فرماتے کہ نہیں تم نے یہ بات غلط سنی، یا یہ بات ایسی نہیں ایسی تھی مگر اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اس دیہاتی کے ہر سوال کے جواب میں نہ تو کوئی وضاحت فرمائی اور کسی بات کی تصحیح کی ضرورت محسوس کی بلکہ ہر بات کی تائید اور تصدیق کی جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے تبلیغ کے لیے جن اصول وضوابط اور ابلاغی طریقہ کار کا استعمال کیا وہ مکمل طور پر عرب معاشرہ کی ابلاغی ضرورتوں کی تکمیل کرتے تھے اور اسی لیے قابل قبول بھی ہوئے۔

چنانچہ یہاں پیغام کے قابل قبول ہونے کے حوالے سے کامیاب ابلاغ کی یہ پہلی شرط کہ پیغام اپنے ماخذ سے اپنی منزل تک بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ جائے پوری ہوتی ہے۔

۲۔ اس حدیث مبارکہ میں مذکورہ شخص کی جانب سے ہر سوال کے شروع میں بار بار یہ کہنا کہ "قسم انہیں (اللہ) کی جس نے آسمان بنایا اور زمین کو بنایا اور پہاڑوں کو گاڑا کیا ان میں فائدے کی چیزیں ہیں" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ایلچی کے ہاتھوں جو پیغام تعلیمات خداوندی کی صورت میں اس قبیلے تک پہنچائیں تھیں وہ

پیغام اتنا موثر، پرکشش اور جاذبیت کا حامل تھا کہ اسے قبول کرلیا گیا تھا اس شخص کے یہ کہنا کہ اللہ نے یہ سب چیزیں پیدا کیں اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ تعلیمات نبوی ﷺ پر ایمان لے آیا تھا اور اب بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر پیغام و تعلیمات کی تصدیق حاصل کر رہا تھا۔

چنانچہ یہاں پیغام کے قابل قبول ہونے کے حوالے سے دوسری شرط کہ پیغام اتنا پرکشش ہو کہ متعلقہ عوام پیغام کو سننے، سمجھنے اور قبول کرنے کیلئے تیار ہو جائیں مکمل طور پر پوری ہوتی ہے۔

عہد رسالت ﷺ میں اطلاعات کے مسلسل، موثر اور مستند پھیلاو کی تصدیق

۳۔ مذکورہ حدیث مبارکہ کے آخری حصہ میں اس شخص نے تمام باتوں کی تصدیق حاصل کر لی تو کہا کہ قسم اللہ کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا میں ان کاموں میں نہ کچھ بڑھاوں گا نہ کمی کروں گا اس شخص کا یہ کہنا دراصل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو پیغام اور اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کے بعد تمام احکامات کی تصدیق حاصل کر لی ہے اور وہ جب اس پیغام اور دعوت کو عام کرے گا تو اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرے گا۔

چنانچہ یہاں اس نقطہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پیغام کے قابل قبول ہونے کی یہ شرط کہ وہ متعلقہ ہدف کو متاثر کر سکے پوری ہوتی ہے کیونکہ اس شخص نے متاثر ہو کر نہ صرف دعوت اسلام کو قبول کیا بلکہ اس خیال کا اظہار بھی کیا وہ جب اس پیغام وتعلیم کو عام کرے گا تو اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرے گا۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کے عمل کو مکمل، جامع، موثر اور قابل عمل بنانے کے آپ ﷺ نے جو حکمت اپنائی وہ اس وقت اور وہاں کے حالات کے تقاضوں کو پورا کرتی تھی۔ اور تعلیمات نبوی ﷺ کے عام ہونے میں آپ ﷺ کی حکمت عملی کو اہم مقام حاصل ہے۔

عہد رسالت ﷺ میں صوتی ابلاغ

ابلاغ کے عمل کی تکمیل کے لیے مختلف انداز اور طریقے استعمال کیے جاتے ہیں مثال کے طور پر ابلاغ کا عمل جب آواز یا محض عکس وتصویر کی بنیاد پر انجام پائے تو یہ عمل سمعی بصری ابلاغ کا مظہر قرار پاتا ہے برق رفتار ترقی کے ساتھ ساتھ ابلاغ کے عمل کی تکمیل کے طریقہ مختلف ادوار میں تبدیل ہوتے رہے ہیں ابتداء زمانے میں ابلاغ کے عمل میں ان طریقوں کے استعمال کے حوالے سے ممتاز ماہر ابلاغ ڈاکٹر محمد شمس لکھتے ہیں۔

’’ابلاغ کیلئے ضروری نہیں کہ اس کیلئے الفاظ ہی استعمال کیئے جائیں آرٹسٹ اپنے خیالات کا اظہار رنگوں کے ذریعے کرتا ہے عکاس اپنا نظریہ دوسروں تک پہنچانے کیلئے سلولائیڈ اور کیمرے کا سہارا لیتا ہے اور ایک اداکار اپنے جذبات کے اظہار کیلئے اپنی زبان اور چہرے کے تاثرات کو ذریعہ بناتا ہے۔۔۔۔کوئی پیغام لوگوں تک بہت سے ذرائع کی مدد سے پہنچایا جا سکتا ہے پرانے زمانے میں ہر عمل چھپے ہوئے الفاظ اور تصاویر کی مدد سے تکمیل پاتا تھا۔۔۔ ابلاغ عامہ کا پہلا منظم طریقہ تحریری تھا۔(۳۹) جبکہ ممتاز ماہر ابلاغیات ڈاکٹر مہدی حسن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ’’براہ راست ابلاغ کا تعلق بھی انسان کی بولنے اور سننے کی اہمیت سے ہے کلاس روم کا لیکچر ہو جلسہ عام کی تقریر ہو نجی محفلوں کی بول چال ہو دوکانوں پر خرید وفروخت کا سلسلہ ہو یا کسی کو کسی بات کا یقین دلانا ہو یا نفرت ومحبت کا جذبات کا اظہار غرض ہماری روزمرہ زندگی میں سننے کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور ہم پیدائش سے لے کر موت تک سن کر مختلف پیغامات حاصل کرتے ہیں اور یوں اپنے تجربات میں اضافہ کرتے ہیں۔۴۰

چنانچہ اس بیان کردہ فلسفہ کے تناظر میں جب عہد رسالت ﷺ کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کے آپ ﷺ نے تبلیغ دین کے لیے صوتی ابلاغ کو بھی استعمال کیا اور اس حوالے سے ایک بڑی اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ آذان کا آغاز بذات خود صوتی ابلاغ کا ایک ایسا شاہکار

نمونہ ہے کہ جو رہتی دنیا تک کے لئے صوتی ابلاغ کی ایک عالمگیر علامت بن گیا ہے آذان کی صورت میں ہونے والے اس صوتی ابلاغ کے ذریعے عام ہونے والے پیغام کی ہمہ گیریت کا عالم یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں حتی کہ اگر صحراؤں اور جنگل بیابان میں بھی آذان کی آواز اگر انسانی سماعت سے ٹکرائے تو اس کے معنی اور مفہوم سے نہ آشنا فرد بھی بخوبی اس بات کا اندازہ لگالے گا کہ یہ مسلمانوں کی عبادت کی دعوت ہے گویا آذان کی آواز عبادت کے وقت اور اس کی ادائیگی کی جانب راغب کرنے کی ایک علامت کے طور پر قائم ہو چکی ہے آذان بنیادی اعتبار سے ایک دعوت ہے جو اللہ کی عبادت کی جانب بندہ کو راغب کرنے کا سبب بنتی ہے ابلاغ کے خاص تناظر میں اگر اذان کے الفاظ، طریقہ اور ادائیگی پر نظر ڈالیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آذان ابلاغ کے عمل کی ایک ایسی کیفیت ہے کہ جسمیں آذان کے مخصوص الفاظ دین کی دعوت اور اسلام کے مکمل فلسفہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے چنانچہ یہی سبب ہے کہ آواز کی صورت میں ہونے والا یہ ابلاغ جس کسی مقام پر انسانی سماعت سے ٹکرائے گا اس کی آواز اور اس کے الفاظ ابلاغ کے تکمیل کریں گے۔

عہد رسالت ﷺ میں صوتی ابلاغ کے آغاز اور اس کے توسط سے تبلیغ دین کی حکمت کے تناظر میں کتب احادیث کا مطالعہ کی بنیاد پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے آذان کے ذریعے ایک مختصر مگر جامع ابلاغ کی تکمیل کی چنانچہ اس حوالے سے امام بخاری اور دوسرے معاصر محدثین نے جو احادیث نقل کی ہیں ان کی ہے ان کے مطابق یہ حدیث بڑی اہم ہے۔

ترجمہ: ہم سے محمود بن غیلان بیان کیا کہا ہم سے عبدالرزاق بن ہمام نے کہا ہم کو عبدالملک بن جریج نے خبر دی کہا مجھ کو نافع نے کہ عبداللہ بن عمر کہتے تھے مسلمان جب (پہلے پہل) مدینہ میں آئے تو نماز کیلئے یوں ہی جمع ہو جاتے ایک وقت ٹھہرا لیتے پہلے نماز کیلئے آذان نہیں ہوتی تھی ایک ان انہوں نے اس بارے میں گفتگو کی تو بعض کہنے لگے (ایسا کرو) نصاریٰ کی طرح ایک گھنٹہ بنالو اور بعضوں نے کہا یہودیوں کی طرح ایک نرسنگا (بگل) بنالو (اس کو پھونک دیا کرو) حضرت عمرؓ نے کہا ایسا کیوں نہیں کرتے ایک آدمی کو مقرر کرو وہ نماز کیلئے پکار دیا کرے اس وقت آنحضرت ﷺ نے (اسی رائے کو پسند

کیا) بلال سے فرمایا اٹھ نماز کیلئے آذان دے۔ ۴۱

واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۴۲) ، ترمذی (۴۳) اور نسائی (۴۴) پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے چند بنیادی باتیں واضح ہورہی ہیں اول یہ کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ابلاغ کے عمل کیلئے کچھ علامتیں اور اشارے رائج تھے کہ جنکا اظہار کسی عبادت یا خاص عمل کی علامت ہوا کرتا تھا اس حدیث مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ یہودیوں کی طرح بگل بنالو اور اسے جب بجایا جائے تو اس سے یہ مراد لی جائے کہ سب نماز کے لیے جمع ہوجائیں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں نے صوتی ابلاغ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے یہ تجویز دی کہ مسلمان بھی کسی مخصوص آواز کو اپنی عبادت کے وقت کے تعین کی علامت ٹھہرائیں چنانچہ اس بنیاد پر مختلف تجاویز سامنے آئیں اور بالآخر آذان کے ذریعے نماز اور فلاح کی جانب راغب کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہاں دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ اس حدیث مبارکہ کی رو سے آپ ﷺ نے اذان کیلئے گھنٹہ یا بگل بجانے کی علامت کے مقابلے میں انسانی آواز کو اہمیت دی چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز دی کہ کوئی شخص نماز کے وقت پر آکر آواز لگادے تو آپ ﷺ نے اس تجویز کو پسند فرمایا چنانچہ اس مقصد کے تحت کچھ کلمات بھی ترتیب دیئے گئے جو رہتی دنیا تک عبادت مسلم کی علامت بن کر دائمی حیثیت اختیار کرچکے ہیں یہاں ہم بگل اور گھنٹہ کے مقابلے میں انسانی آواز کے فلسفہ پر اگر غور کریں تو بارگاہ نبوت ﷺ کے اس فیصلے میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف اسلام کو دیگر ادیان ونظریات سے جدا اور ممتاز رکھتے ہوئے اس کی علامتوں کو دیگر ادیان کی علامتوں سے مختلف اور ممتاز رکھا ہیں آپ ﷺ نے آذان میں اسلام کی اساسی تعلیمات کو بامعنی کلمات کی صورت میں سمو کر انہیں ایک پیغام کی شکل دے دی جو رہتی دنیا تک ایک دائمی علامت بن چکی ہے۔

عہد رسالت ﷺ میں سمعی ابلاغ

ابلاغ کے عمل میں پیغام کو عام کرنے کے لیے استعمال ہونے والے مختلف ابلاغی آلات کو Communication Tools کہا جاتا ہے ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ سمیت

اخبارات، رسائل وجرائد کتابچے، پمفلٹ، پوسٹرز اور سائن بورڈز وغیرہ یہ سب ابلاغ کے عمل میں بطور tools ہی استعمال ہوتے ہیں مگر ان سب کا بنیادی مقصد پیغام کو عام کرنا ہی ہے اسی طرح لاؤڈ اسپیکر، بجلی کا تیز، کیمرا زبھی ابلاغ کے عمل میں بطور tools ہی استعمال ہوتے ہیں اور ان سب کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیغام زیادہ سے زیادہ عام ہوسکے۔

آج ۲۱ ویں صدی کی برق رفتار ترقی میں ماہرین ابلاغیات نے ابلاغ کے عمل میں جن بنیادی ضرورتوں وعوامل کا ذکر کیا ہے ان میں سننے اور دیکھنے کے عمل سے ہونے والے ابلاغ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور بعض صورتوں میں صرف دیکھنا ہی ابلاغ کے عمل کی تکمیل کا سبب بن جاتا ہے جبکہ بعض حالتوں میں صرف سننا ہی کافی قرار دیا جاتا ہے تاہم ماہرین ابلاغ اس پر متفق ہیں کہ سننے اور دیکھنے کا عمل یکساں اور بیک وقت ہو تو اس طرح ہونے والا ابلاغ بہت زیادہ موثر اور زیادہ مکمل ہوتا ہے ممتاز ماہر ابلاغیات ڈاکٹر مہدی حسن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ہم دنیا کی بیشتر چیزوں کو پہچاننے کیلئے جس طرح پیغام وصول کرتے ہیں اس میں وقت بھی صرف ہوتا ہے اور اپنی نگاہوں سے ہمیں کچھ فاصلے بھی طے کرنے ہوتے ہیں یعنی بیشتر پیغامات ہم جگہ گھیرنے اور وقت صرف کرنے والے دونوں ذریعوں کے امتزاج سے حاصل کرتے اور دیتے ہیں۔ ۴۵

گویا ایسا ابلاغ جو بیک وقت سمعی اور بصری بنیاد پر ظہور پذیر ہورہا ہو وہ زیادہ موثر ہوتا ہے کیونکہ ہم اس نوعیت کے ابلاغ میں بیک وقت اپنی نگاہوں اور سماعت کا استعمال کررہے ہوتے ہیں اور یوں دیکھنے اور سننے کے عمل کے ساتھ جب ہم موثر طورپر پیغام وصول کررہے ہوتے ہیں تو اس کی اثر پذیری بھی دیر تک قائم رہتی ہے۔

عہد رسالت ﷺ کے حوالے سے جب ہم ابلاغ کے اس فلسفہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے سمعی وبصری بنیاد پر تعلیمات کو موثر طریقے سے عام کرنے

کیلئے خصوصیت کے ساتھ (منبر) کا استعمال بھی کیا بظاہر منبر کا استعمال اسلامی تعلیمات کے حوالے سے متضاد تصور کو بھی جنم دے سکتا ہے کیونکہ اسلام کا فلسفہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اسلام نے عمل پر فضیلت دی ہے اور تمام امتیازات کو ختم کر دیا ہے آپ ﷺ کی ساری تعلیمات اور آپ ﷺ کی پوری حیات مبارکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی کالے پر گورے اور گورے کو کالے پر فوقیت نہیں دی کبھی عزت و تکریم کے لیے منصب و امارت کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو ہمیشہ فوقیت دی گئی چنانچہ اسلام کی بلا امتیاز رنگ و نسل دین کی دعوت اور فکر و فلسفے کے تناظر میں مسجد میں جمع ہونے والے سینکڑوں افراد میں کسی ایک کو سب سے زیادہ بلند مقام پر بٹھا دینا بظاہر ان تعلیمات سے متصادم قرار دیا جا سکتا ہے مگر احادیث مبارکہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ آپ ﷺ نے منبر کا استعمال بہتر سمعی اور بصری ابلاغ کے تناظر میں کیا بالفاظ دیگر مساجد میں منبر کا استعمال سمعی اور بصری ابلاغ کو موثر بنانے کے لیے کیا گیا اور اس عمل کے ذریعے صحابہ کرام نے نہ صرف آپ ﷺ کی آواز مبارکہ بلکہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کے ذریعے ہونے والے ابلاغ کو بھی مکمل طور پر وصول کیا یعنی آپ ﷺ کو منبر پر دیکھنے والے صحابہ کرام نے جسم اطہر کی حرکات و سکنات سے بہت سے عمل سیکھے اور عام کیے چنانچہ اس حوالے سے احادیث مبارکہ کی کتب میں جو مستند ترین قول ملتا ہے اس کے تحت امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جبکہ دیگر کتب حدیث میں بھی اس حدیث کو مختلف صحابہ کرام سے محدثین نے نقل کیا ہے امام بخاری نقل فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا! کہا ہم سے یعقوب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالقادر قریشی اسکندری نے کہا ہم سے ابو (حازم سلمہ) ابن دینار نے کچھ لوگ سہیل بن سعد ساعدی کے پاس آئے آنحضرت ﷺ کے منبر پر جھگڑ رہے تھے کہ اس کی لکڑی کونسی لکڑی تھی اور جس دن وہ رکھا گیا اور جب پہلے پہل آنحضرت ﷺ اس پر بیٹھے میں جانتا ہوں یہ کہ آنحضرت ﷺ نے انصاری فلاں عورت کے پاس (کہہ) کر بھیجا (سہیل نے اس کا نام بھی لیا) اپنے غلام سے کہہ جو بڑھئی ہے وہ ایسی لکڑیوں کا منبر بنا دے کہ لوگوں کو وعظ سناتے وقت اس پر بیٹھ کر جایا کروں اس نے غلام کو حکم دیا اور غلام نے غابہ کے جھاؤ کا منبر بنایا اور اس

عورت کے پاس لے آیا اس نے آنحضرت ﷺ کے پاس بھیج دیا آپ نے حکم دیا وہ (مسجد میں) رکھا گیا سہیل کہتے ہیں پھر میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے اس پر نماز شروع کر دی تکبیر کہی پھر رکوع بھی اسی پر کیا رکوع کے بعد نیچے اترے اور اتر کر اس کی جڑ میں سجدہ کیا پھر منبر پر چلے گئے (دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا) جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کیا فرمایا میں نے یہ اس لئے کیا کہ تم میری پیروی کرو اور میری نماز سیکھ جاؤ۔۴۶

واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۴۷) نسائی (۴۸)، مسند امام احمد (۴۹)، الداری (۵۰) ابن ماجہ (۵۱) اور ابوداود (۵۲) پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے منبر خاص طور پر اس لئے بنایا کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کی آواز اور آپ ﷺ کی اداؤں کو ذہن نشین کر لیں اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے خود واضح طور پر یہ اعلان فرمایا کہ یہ اس لئے بنوایا کہ اس پر بیٹھ کر وعظ کیا جائے اور صحابہ کرام نہ صرف آپ ﷺ کی آواز مبارکہ با آسانی سن سکیں بلکہ دوران خطبہ تمام صحابہ خواہ وہ قریب بیٹھے ہوں یا دور ہوں تمام آپ ﷺ کا با آسانی دیدار بھی کر سکیں اس طرح آپ ﷺ کی اداؤں کو دیکھ کر وہ نہ صرف ان اداؤں کو اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لیں بلکہ دوسروں تک اس کا ابلاغ بھی کر دیں چنانچہ یہی سبب ہے اس حدیث مبارکہ کے آخری حصے کے مطابق آپ ﷺ نے منبر پر نماز ادا کر کے خود صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں نے یہ اس لئے کیا کہ تم میری پیروی کرو اور میری طرح نماز سیکھ جاؤ گویا جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو ویسا ہی تم بھی کرو اور جب ایسا کرتے دیکھتے رہو گے تو سیکھ جاؤ گے یہاں یہ بات واضح ہوئی کہ منبر کا استعمال بنیادی طور پر سمعی اور بصری ابلاغ کو مکمل جامع اور موثر بنانے کے لئے تھا کیونکہ یہ بات بڑی واضح ہے کہ جب کوئی شخص اونچائی پر بیٹھ کر کوئی عمل کرے گا تو نیچے بیٹھے ہوئے لوگ اس کی حرکات و سکنات کو بہت بہتر طور پر دیکھ سکیں گے اور یوں اس طرح ابلاغ کا عمل بہتر طور پر مکمل ہوگا کیونکہ یہ ابلاغ براہ راست انسانی ذہن میں بصری صورت میں جذب ہو کر محفوظ ہو جاتا ہے لہذا آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ تم میری پیروی کرو اور میری نماز سیکھ جاؤ اس بات کو ثابت

کرتا ہے کہ منبر کا استعمال صرف سمعی و بصری ابلاغ کی تکمیل کا ایک ذریعہ تھا۔

عہد رسالت ﷺ میں غیر لفظی ابلاغ

احادیث مبارکہ کے تحقیقی جائزہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابلاغ کے عمل کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ نے بعض مواقع پر غیر لفظی ابلاغ بھی کیا ہے چنانچہ اس حوالے سے بخاری شریف کے باب العلم میں چند ایسی احادیث کا ذکر ملتا ہے کہ جو غیر لفظی ابلاغ کے عمل کی وضاحت کرتی ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ سے حج کے دوران پوچھا گیا (اور سوال کرنے والے) نے کہا رمی جمار سے قبل میں نے قربانی کرلی، آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا تجھ پر کوئی حرج نہیں (اور دوسرے آدمی نے سوال کیا اور) کہا قربانی کرنے سے پہلے میں نے سر منڈھا لیا آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ تجھ پر کوئی حرج نہیں۔ ۵۳

واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۵۴) نسائی (۵۵)، مسند امام احمد (۵۶)، ابن ماجہ (۵۷) اور ابوداود (۵۸) پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

ایک اور مقام پر غیر لفظی ابلاغ کا اظہار اس انداز میں ہوا چنانچہ صاحب بخاری نے باب العلم میں یہ حدیث نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا علم سمیٹ لیا جائے گا، جہالت کا غلبہ اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور هرج بکثرت ہوگا عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ هرج کیا ہے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو پھیرتے ہوئے اشارہ کیا کہ اس طرح (حدیث کے راوی حنظلہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گویا اس سے مراد قتل ہے۔ ۵۹

واضح رہے کہ بخاری شریف کی بیان کردہ یہ حدیث مبارکہ مسلم (۶۰)، ابن ماجہ (۶۱) مسند امام احمد (۶۲) پر مختلف صحابہ کرام سے معمولی ترمیم کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

ان احادیث مبارکہ میں سب اہم غور طلب بات یہ ہے کہ احادیث کے راویوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے آپ ﷺ نے کلام کیوں نہیں کیا بلکہ ہاتھ کا واضح طور پر اشارہ اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ یقینی طور پر اللہ عزوجل کے نبی برحق ﷺ نے مناسب جانا کہ سائل اشارہ سے اس کے عمل کے صحیح ہونے کی اجازت مرحمت کردی جائے۔ ابلاغ کے فلسفہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس غیر لفظی ابلاغ کے ذریعے پورا پیغام صحیح طریقے سے منزل کی جانب نہ صرف پہنچ گیا بلکہ بعدازاں راویوں نے اسے یاد رکھتے ہوئے ٹھیک ٹھیک پوری صحت کے ساتھ بیان بھی کردیا۔ عہد رسالت ﷺ کے حوالے سے بیان کردہ ان احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ایک ایسی حکمت اختیار کی جو ہر اعتبار سے جہالت، تاریکی اور انتہاء پسندی کے اس بدترین دور کے ہر فرد کو متاثر کیے بنا نہ رہ سکی۔ قرآن کا پیغام اس انداز میں عام ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب و عجم میں وحدہ لاشریک کے ماننے والوں کی تعداد پھیل گئی اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوتا گیا عہد رسالت ﷺ میں ابلاغ کا عمل اتنا کامل بھرپور، متاثر کن اور منفرد تھا کہ تقلید و روایت پسند معاشرہ کے باسیوں نے اسے قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ عہد رسالت ﷺ میں ہونے والے ابلاغ کے عمل کے تحقیقی جائزہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ابلاغی حکمت عملی اختیار کی گئی مکمل طور پر قابل عمل تھی اور یہی وہ بنیادی فلسفہ ہے کہ اسلامی ابلاغی پالیسی کو دیگر ابلاغی پالیسی کے مقابلے میں منفرد اور ممتاز بناتا ہے اور اسی طرح عہد رسالت ﷺ کی ابلاغیاتی پالیسی کے خدوخال کے تحقیقی جائزہ کی بنیاد پر یہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات، ارشادات اور بحیثیت پہلی ریاست اسلامیہ کے نگران کے تھے۔ آپ ﷺ نے ایسے اقدامات کیے کہ جن کا مقصد ریاست اسلامیہ میں فرد کو اطلاعات کی مکمل فراہمی اور اس کے اس حق کے تحفظ سے متعلق تھا یہ نکات بنیادی اعتبار سے عہد رسالت ﷺ کی وہ معاشرتی و سماجی انقلاب کی پالیسی کے زریں اصول تھے کہ جن پر عمل کرکے قدامت پسند، بنیاد پرست اور انتہاء پسند عرب معاشرہ روشن خیالی اور ترقی پسندیت کے ایک ایسے عہد میں داخل ہوا کہ جس نے اقوام عرب میں انقلاب برپا کردیا یہ انقلاب اتنا پر اثر اور اتنا برق رفتار تھا کہ صدیوں کی جہالت، گمراہی

تاریکی اور بد عملی نصف صدی سے بھی کچھ کم عرصے میں مکمل طور پر ختم ہوگی اور اس انقلاب کے ثمرات آج مسلم ممالک میں کروڑ مسلمانوں کی صورت میں دنیا کے نقشہ پر قائم دائم ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اقوام متحدہ کا چارٹر برائے انسانی حقوق کی دفعہ ۱۰ صفحہ ۲
۲۔ سورہ آل عمران آیت ۱۶۴ از ترجمہ شیخ محمد جالندھری، بیت القرآن، کراچی، سن ندارد
۳۔ ابوداؤد شریف جلد اول باب علم صفحہ ۱۴۴ دار الاشاعت کراچی، ۱۹۹۸
۴۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، جلد اول صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۵۔ مسلم میں حدیث رقم ۳۱۷۹
۶۔ ترمذی میں رقم ۲۲۹
۷۔ مسند امام احمد رقم ۱۹۳۹۲
۸۔ الدارمی میں رقم ۱۸۳۹
۹۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، جلد اول صفحہ ۱۱۴، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۱۰۔ عوام کے جاننے کا حق اور اس پر عائد پابندیاں از ڈاکٹر توصیف احمد خان، ابلاغی تحقیق صفحہ ۵۶ تا ۵۹، جامعہ
اردو ۲۰۰۸
۱۱۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، جلد اول صفحہ ۱۴۲، ۱۴۱، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۱۲۔ مسلم میں حدیث رقم ۲۳
۱۳۔ ترمذی میں رقم ۱۵۲۵
۱۴۔ نسائی میں ۴۹۲۵
۱۵۔ مسند امام احمد میں رقم ۱۹۰۵
۱۶۔ ابوداؤد میں رقم ۳۳۰۵
۱۷۔ مہدی حسن جدید ابلاغ عامہ، صفحہ ۲۵، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۵
۱۸۔ ایم

۱۹۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، جلد ۱ صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۲۰۔ مسلم میں حدیث رقم ۴۴۱۳
۲۱۔ ترمذی میں رقم ۲۳۷
۲۲۔ نسائی میں ۴۸۹۷
۲۳۔ مسند امام احمد میں رقم ۱۵۷۷۸
۲۴۔ حسن مہدی، ڈاکٹر، جدید ابلاغ عامہ، مقتدرہ قومی زبان صفحہ ۲۵ سے ۲۱، ۱۹۹۵
۲۵۔ دلشاد، کنور محمد، ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے، مقتدرہ قومی زبان صفحہ ۵۷، ۱۹۹۵
۲۶۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، صفحہ ۵۷ جلد ۲، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۲۷۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، صفحہ ۲۳۸ جلد ۲، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۲۸۔ حسن مہدی، ڈاکٹر، جدید ابلاغ عامہ، مقتدرہ قومی زبان، صفحہ ۵۶ـ۵۹، ۱۹۹۵
۲۹۔ دلشاد، کنور محمد، ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے، مقتدرہ قومی زبان صفحہ ۵۷، ۱۹۹۵
۳۰۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، صفحہ ۴۲۷ جلد ۲، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۳۱۔ مسلم میں حدیث رقم ۲۹۰۱
۳۲۔ ترمذی میں رقم ۲۶۳۲
۳۳۔ نسائی میں ۵۱۰۶
۳۴۔ مسند امام احمد میں رقم ۱۱۵۱۳
۳۵۔ ابوداؤد میں رقم ۳۶۸۱
۳۶۔ دلشاد، کنور محمد، ذرائع ابلاغ اور تحقیقی طریقے، مقتدرہ قومی زبان صفحہ ۳۱، ۱۹۹۵
۳۷۔ حسن، مہدی ڈاکٹر، جدید ابلاغ عامہ، مقتدرہ قومی زبان، صفحہ ۲۹، ۱۹۹۵
۳۸۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزمان، صفحہ ۱۱۴ جلد ۱، مشتاق بک، اردو بازار
لاہور، ۱۹۹۸
۳۹۔ محمد شمس الدین، ڈاکٹر، جدید ابلاغ عامہ کے نظریات، مقتدرہ قومی زبان صفحہ ۶ـ۷، اسلام آباد
۴۰۔ حسن، مہدی ڈاکٹر، جدید ابلاغ عامہ، مقتدرہ قومی زبان، صفحہ ۴۳، ۱۹۹۵

۴۱۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزماں، صفحہ ۴۲۱، مشتاق بک، اردو بازار

لاہور، ۱۹۹۸

۴۲۔ مسلم میں حدیث رقم ۵۶۸

۴۳۔ ترمذی میں رقم ۱۷۵

۴۴۔ نسائی میں ۶۲۹

۴۵۔ حسن، مہدی ڈاکٹر، جدید ابلاغ عامہ، مقتدرہ قومی زبان، صفحہ ۲۲، ۱۹۹۵

۴۶۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزماں، صفحہ ۴۲۶، جلد ا، مشتاق بک، اردو بازار

لاہور، ۱۹۹۸

۴۷۔ مسلم میں حدیث رقم ۸۲۷

۴۸۔ نسائی میں رقم ۷۳۱

۴۹۔ مسند امام احمد میں رقم ۲۱۷۳۵

۵۰۔ الدارمی میں رقم ۱۳۳۰

۵۱۔ ابن ماجہ میں رقم ۳۰۶

۵۲۔ ابوداؤد میں رقم ۹۱۳

۵۳۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزماں، صفحہ ۴۰۲، مشتاق بک، اردو بازار

لاہور، ۱۹۹۸

۵۴۔ مسلم میں حدیث رقم ۴۳۰۶

۵۵۔ نسائی میں رقم ۳۰۱۷

۵۶۔ مسند امام احمد میں رقم ۱۷۶۰

۵۷۔ ابن ماجہ میں رقم ۲۱۹۴

۵۸۔ ابوداؤد میں رقم ۶۹۲

۵۹۔ صحیح بخاری از محمد بن اسماعیل البخاری مترجم از علامہ وحید الزماں، صفحہ ۴۰۲، مشتاق بک، اردو بازار

لاہور، ۱۹۹۸

۶۰۔ مسلم رقم ۴۳۶

۶۱۔ ابن ماجہ رقم ۲۰۳۷

۶۲۔ مسند امام احمد رقم ۶۸۸۹

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، شمارہ ۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء

سید قطب کا تصور جاہلیت

حبیب الرحمن

Abstract

Despite western countries' superficial development and materialistic flourishing it is a fact that they are victim of a great outbreak and obscurity and the main reason of this circumstance is their declining of God's prescribed way and following the style of life designed by their own desires and Satan (evil forces) that is the real ignorance.

Sayyid Qutub in this regard has given the example of Sweden which is one of the richest and developed countries of Europe, where its citizens get all the possible facilities that exist on Earth. On the other hand they are suffering with profound miseries of spiritual and psychological ailments.

Furthermore the impact of this modern ignorance is not limited only to Sweden or any other nation, rather its bad influence and worse results has ruin the whole

humanity. The effect of ignorance is affecting ethics and manners conduct and deeds, government and society, monetary and economical in short all aspects of life are falling in decline.

However, worst of all, as a result of this ignorance the humanity of man is on stake and man has reached on a stage of cruelty which is nastiest than animal.

جاہلیت کا لفظ قرآن کریم میں چار مرتبہ مذکور ہے اور چاروں مرتبہ نکرہ کے بجائے معرفہ یعنی "الجاهلية" مستعمل ہوا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ....(154)(۱)

ترجمہ: پھر اتاری اللہ نے تم پر غم والدوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھاری تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر تھی (محض) اپنی جانوں کے بارے میں (اور اسی لئے) وہ بدگمانی کررہے تھے اللہ کے بارے میں بلاوجہ عہد جاہلیت کی سی بدگمانی۔

(۲) أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ(50) (۲)

ترجمہ: تو کیا (نافرمان) لوگ جاہلیت کے زمانے کے فیصلے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہوسکتا ہے اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے۔

(۳) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ .... (33)(۳)

ترجمہ: (اے نبی کریم کی ازواج مطہرات) ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دور جاہلیت میں رواج تھا۔

(۴) إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ

شَيْءٍ عَلِيمًا (26)(۴)

ترجمہ: جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول (مکرم) پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حقدار بھی تھے اور اس کے اہل بھی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

قرآن کریم میں اس تذکرہ جاہلیت کے بعد لفظ جاہلیت یا الجاہلیہ کی تفہیم ضروری ہے تاکہ لغوی معنی کے اجمال کو سید قطب کی تفسیری توضیح اور تفصیلی فکری روشنی میں موجودہ عالم اسلام اور اس کی مشکلات وحل کے تناظر میں سمجھنے میں آسانی ہو۔

''الجاہلیہ کے معنی جہالت کی حالت یعنی بت پرستی جو بلاد عرب میں قبل ظہور اسلام رائج تھی۔ جاہلیت کا اطلاق عرب کے ان حالات پر بھی ہوتا ہے۔ جو اسلام سے پہلے عرب پر طاری تھے''

اور اسی مادہ سے المجہل ۔ بے راستہ والا جنگل بغیر نشان کا بیابان اس کی جمع مجاہل ہے جبکہ معرفہ الجاہل ہے معنی نادانیاں ہیں، اس کا واحد جہل ہے۔ عربی میں جب "انا لنصفح عن مجاهل قومنا" کہتے ہیں تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ ''ہم اپنی قوم کی نادانیوں سے درگزر کرتے ہیں۔ (۵)

لفظ جہل اور اس کے مشتقات کے معنی ومفاہیم مولانا امین احسن اصلاحی نے اس طرح بیان کئے ہیں۔

''جہل کا لفظ علم کے مقابل میں بھی آتا ہے اور حلم (دانش) کے مقابل بھی ۔ جب کہ جہالۃ کے معنی عربی میں صرف نہ جاننے کے نہیں آتے بلکہ اس کا غالب استعمال جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی شرارت یا ظلم یا گناہ کا کام کر گزرنے کے معنی میں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' (۶)

ایک حماسی کا شعر ہے

الا لایجهلن احد علینا فنجعل فوق جهل الجاهلینا

ترجمہ: آگاہ! کہ کوئی ہمارے خلاف جہالت کا اظہار نہ کرے کہ ہم بھی تمام جاہلوں سے بڑھ کر

جہالت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

اور اسی مادہ سے اس کا اسم فاعل، جاہل ہے۔

جاہل اس شخص کو کہتے ہیں جو علم وعقل کے بجائے جذبات اور خواہشوں کی پیروی کرتا ہو۔ (۷)

جبکہ بقول الیاس انطون الیاس کے:

''جهل . جهالة: ضد علم — Ignorance

dulness / stupidity

جاهل ضد عالمٌ / متعلم — Ignorant

وجاهلية العرب — Pre-Islamic State of Paganism

حالة الجهل — State of Ignorance'' (۸)

لغوی تعریف کی اس مختصر وضاحت سے جہل/جہالت یا جاہلیت کے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایسی زندگی اور معیارات زندگی جو خود انسانی خواہشات، اور عقل کے تابع ہو اور اس کی بنیاد آسمانی ہدایت کے بجائے وقتی وعارضی جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی کام کر گزرنا جو عدل وانصاف کی ضد ہو اور ظہور اسلام کے بعد، اسلام نے ان کی کسی بھی شکل میں توثیق وتائید نہیں کی ہو۔

اسی لئے متقدمین میں شیخ ابن تیمیہ نے جاہلیت کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

''ہر وہ کام جاہلیت کا کام ہے جسے لوگوں نے اختیار کر رکھا تھا لیکن اسلام نے اسے برقرار نہیں رکھا، پس امور جاہلیت میں وہ ساری چیزیں داخل ہیں جنہیں لوگ اپنائے ہوئے تھے۔ (لیکن اسلام نے ان کی مثبت طریقے پر توثیق نہیں کی) خواہ اس نے صراحت سے ان کے نام لے کر ان سے منع بھی نہ کیا ہو'' (۹)

جب کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لفظ جاہلیت کو اسلام کے مقابلے میں استعمال کرتے ہیں۔

"جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانے میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بناپر انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طریقے مقرر کر لئے تھے۔اور طرز عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت ہی کا طرز عمل کہا جائے گا۔(۱۰)

پیر محمد کرم شاہ الازہری بھی جاہلیت کی تعریف سورہ مائدہ کی آیت ۵۰ کی روشنی میں ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے مقابلے میں انسان کی اپنی وضع کردہ ہدایت جو خود اس کے خواہشات کے تابع ہو۔

"جاہلیت اس نظام حیات کو کہتے ہیں جہاں قانون سازی کا کامل اختیار خالق کائنات کو نہ ہو بلکہ انسانی اغراض اور خواہشات کے ہاتھ میں ہو۔جہاں اقتدار وحکومت کی مسند پر وحی الٰہی کے بجائے انسان کا ناقص اور ناتمام علم قابض ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ان آسمانی کتابوں کی اطاعت کو گراں سمجھ رہے ہو جن میں ہدایت ہی ہدایت ،نور ہی نور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دور جہالت کے اس ظالمانہ نظام کو اپنانا چاہتے ہو جس میں غریب وامیر ،کمزور اور طاقتور،حاکم اور محکوم کے لئے الگ الگ قانون تھے۔ذرا سوچو!اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے احکام جو عین عدل وانصاف اور مجسم رحم وکرم ہیں وہ بہتر ہیں یا تمہارا یہ ظالمانہ نظام جہاں خواہشات کی سرداری ہے"(۱۱)

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب جاہلیت کے معنی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"Showing displeasure at Islamic laws and obeying ones own desires....(12)

ان تمام تعریفات کا خلاصہ اگر نکالا جائے تو وہ ان الفاظ میں شاید تمام تعریفات جاہلیت کے مقصد تک رسائی فراہم کرتا ہے کہ توحید جملہ آسمانی ہدایت ومذاہب کی تعلیمات کی بنیاد بلکہ خشت اول ہے۔اسی لئے توحید پر ایمان ،توحید کے تقاضوں کی تکمیل ،توحید کے تصور

پر مبنی انفرادی ،زندگی اور اجتماعی نظام حیات کا قیام ہی وہ اساس ہے جس کے حقیقی معنی میں نافذ کرنے اور عملی زندگی میں جاری کرنے کا مدعا لے کر جملہ انبیاء ورسل تشریف لائے ،لیکن انسان اپنی محدود حاصل شدہ آزادی کو کامل آزادی تصور کرتے ہوئے الہامی تعلیمات سے روگردانی خدائی ہدایت سے انحراف ،انبیاء ورسل کے بجائے وقتی اور عارضی رہنماؤں ،اور خواہشات نفس کا اسیر بن کر جب خدائی راستہ چھوڑ دیتا ہے تو اس کا نتیجہ ظلم وسرکشی کی صورت میں نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور پھر انسان اپنے ،خاندان قبیلہ اور پھر قوم کے تحفظ کے لئے ایسے قوانین اور اصول وضوابط وضع کرنا شروع کر دیتا ہے جس کی بنیاد ظلم ہوتا ہے اور جس کا انجام خدا سے بغاوت اور شیطان کی پیروی ہوتا ہے۔

"جب انسان اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قوانین اور ضوابط سے انحراف کرتے ہوئے اپنی سوچ فکر اور خیال کے تحت قوانین اور اصول بناتا ہے تو اسے قرآن وسنت میں "جاہلیت" سے تعبیر کیا گیا ہے"(۱۳)

بقول استاد محمد قطب کے جو سید قطب شہید کے حقیقی بھائی اور ان کی کتابوں کے شارح اعظم سمجھے جاتے ہیں۔

"جاہلیت ہوائے نفس کی اتباع کا دوسرا نام ہے۔۔۔۔۔۔جاہلیت اللہ کی ہدایت سے روگردانی اختیار کرلینے کا نام ہے"(۱۴)

اپنی ہی پیش کردہ تعریف کی مزید توضیح محمد قطب ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"درحقیقت جاہلیت اللہ کی ہدایت سے بھٹک جانے اور اس کے حکم کو ٹھکرا دینے کا نام ہے اور یہ کہ جس مرحلہ پر بھی اللہ کی ہدایت سے روگردانی کی جائے گی اسے جاہلیت ہی کہا جائے گا۔(۱۵)

جب کہ سید قطب جاہلیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"جاہلیت ماضی کے کسی دور کا نام نہیں ہے،جاہلیت ہر اس نظام کا نام ہے جس میں انسان انسان کی بندگی کرتا ہو۔اور یہ خصوصیت بلا استثنا آج روئے زمین کے ہر نظام کی ہے۔آج نوع انسانی جس نظام ہائے حیات کو پیش کر رہی ہے ان میں انسان اپنے ہی جیسے انسانوں سے

افکار وتصورات ،اصول ومبادی،اقدار اور پیمانے قوانین وشرائع ،ضوابط اور طور طریقے اخذ کرتا ہے۔اور یہی جاہلیت ہے۔اپنے تمام عناصر ترکیبی اور اصول ومبادی کے ساتھ"(۱۶)

جاہلیت بقول سید قطب کے کسی گذرے ہوئے دور کا نام نہیں بلکہ اس کا اظہار کسی بھی زمانے میں ،کسی بھی نام وشکل کے ساتھ اللہ کی ہدایت سے روگردانی کے نتیجہ میں ظاہر ہوسکتی ہے۔کیونکہ وَجَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا کے مصداق ہر الٰہی قانون کا بھی ہر زمانے میں ایک Counter reactive انسانی قانون ہوتا ہے۔آسمانی ہدایت کے مقابلے میں زمین پر اللہ کے باغی انسانی ہدایت وضع کر لیتے ہیں اور خدائی شریعت کے مقابلے میں انسانی شریعت مستقل طور پر ہر زمانے کے انسانوں کو اللہ کے نظام زندگی سے بے نیاز کرنے کی جہد مسلسل کر رہی ہوتی ہے۔چنانچہ نام ،عنوان ،لقب اور راہ عمل کوئی بھی ہو ۔ہر وہ طریقہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق کے برعکس ہو اس کا حقیقی نام جاہلیت ہی ہوگا۔

"جاہلیت کسی خاص دور کو نہیں کہتے ۔وہ ایک حالت اور ایک وضع قطع ہے جو زمانے کے مختلف ادوار میں مختلف شکلوں میں سامنے آتی رہتی ہے۔چنانچہ کسی دور میں یا خدائے واحد کی تنہا الوہیت ہوگی اور بندے اس واحد الوہیت کو تسلیم کرنے کے نتیجے میں اس کی جامع وکامل بندگی کریں گے۔اقتدار کی تمام شکلیں خدائے واحد کے لئے مجتمع ومخصوص ہوں گی۔

جذبات وافکار،نیات واعمال اور تعلیمات اور طور طریق سب کا تعلق صرف اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہوگا اور اسی سے تمام قدروں اور پیمانوں ،شرائع وقوانین اور تصورات وہدایات کو اخذ کیا جائے گا یا اس سے انحراف کی صورت میں کسی نہ کسی شکل میں جاہلیت کا دور دورہ ہوگا اور اس میں انسان ،انسان کا یا اللہ کی کسی اور مخلوق کا بندہ ہوگا"(۱۷)۔

جاہلیت کے اسلام کی ضد اور حریف ہونے کا سبب کسی انسان (مفکر،مفسر،دانشور یا لیڈر) کے ذہن کی اختراع اور اس کی علمی ایجاد نہیں ہے۔اور نہ ہی یہ کسی فرد کی ذاتی پسند اور ناپسند کا شاخسانہ ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اسلام کے مقابلے میں دوسرے تمام افکار اور طرز ہائے زندگی کو اندھیروں سے تعبیر کیا ہے۔

وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ(۱۸)

اور (اللہ تعالیٰ) اپنے اذن سے انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہریؒ لکھتے ہیں

"تاریکیاں اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔شرک وکفر کا اندھیرا ،گناہ و سرکشی کا اندھیرا ،نفس پرستی اور بدعت کی تاریکی غفلت اور سستی کی ظلمت اس لئے ظلمات جمع کا لفظ ذکر کیا۔لیکن نور صرف ایک ہی ہے ،اس لئے واحد کا لفظ ہی استعمال فرمایا۔صراط مستقیم یعنی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے انسان مختلف قسم کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آتا ہے"(۱۹)

سید قطب یہاں تاریکی سے مراد صرف نظریہ،فکر اور اعتقاد کی تاریکی مراد نہیں لیتے بلکہ وہ لفظ "الظلمت" کو ایسی تاریکی کا مصداق قرار دیتے ہیں جس نے پوری انسانی زندگی اور اس کے ہر ہر حصہ اور پہلو کو لباس ظلمت پہنا رکھا ہے،اسی تاریکی کے لیے وہ جامع لفظ جاہلیت استعمال کرتے ہیں۔

"جاہلیت سر تا سر تاریکی ہے ۔شکوک وشبہات ،خرافات واساطیر اور غلط افکار وتصورات کی تاریکی،خواہشات ابھرتے ہوئے جذبات اور لق ودق صحراء میں بھٹکتے پھرنے کی تاریکی،ہدایت سے کٹنے اور بے چینی واضطراب اور حیرانی وسرگردانی کی تاریکی ،امن بخشش اور مانوس ومامون دربار سے بھاگ آنے اور وحشت میں مبتلاء ہونے کی تاریکی ،اقدار،احکام اور پیمانوں کے گڑبڑ اور مختل ہونے کی تاریکی"(۲۰)

سید قطب شہید نے مذکورہ بالا سطور میں جاہلیت کی جس تاریکی کا ذکر کیا ہے وہ کوئی جامد یا منجمد تاریکی نہیں بلکہ وہ اس ظلمت جاہلیت کے متحرک وجود کو ایک نقطہ نما چھوٹے وجود سے ایک دیوہیکر ہیولے میں تبدیل ہوتے ہوئے دکھاتے ہیں جو اعلیٰ انسانی قدروں ،اوصاف،اخلاق وکردار پر حملہ آور ہوکر انسانوں کو اس سے تہی دامن کرنے کی کوشش کرتی ہے۔چنانچہ اس جاہلیت کے مقابلے میں وہ جس روشنی کا ذکر کرکے اس کے برگ وبار اور انسان اور انسانی معاشروں پر اس کے مثبت وتعمیری اثرات کا تذکرہ کرتے ہیں وہ اسلام ہے۔جس کی روشنی سے پوری زندگی منور ہوجاتی ہے اور انسان اپنے وجود کے ہر انگ اور جسم کے ہر حصہ میں

اس کی نورانیت کو محسوس کرتا ہے بلکہ یہ نور (اسلام) اس کا ہر معاملہ میں ہمنوا اور رفیق بن جاتا ہے اور اس کے زندگی کی ساری گرہیں اس روشنی اور نور میں خود بخود کھلنے لگتی ہیں۔

''رہا نور (اسلام) تو وہ نور ہی ہے۔۔۔۔کہ وہ دل میں، عقل میں، انسانی وجود میں، زندگی میں، اور سب امور و معاملات میں نور ہی ہوتا ہے اور سب کو روشنی کرتا ہے''۔(۲۱)

اللہ تعالیٰ نے اس نور کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح فرمایا ہے۔

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۲۲)

ترجمہ: جس کے ذریعے اور ان لوگوں کو، جو اس کی رضا کے طالب ہیں، سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے اذن سے انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔

سید قطب اسی لئے روئے زمین پر، پوری انسانی معلوم تاریخ میں بالعموم اور بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بالخصوص، انسانوں کے طرز ہائے زندگی کو دو خانوں میں دو عنوانات کے تحت تقسیم کرتے ہیں۔اور وہ ہے آسمانی ہدایت یعنی اسلام اور جاہلیت اور پھر اسلام کا وظیفہ ہی یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ جاہلیت کی ظلمت میں پسنے والے افراد کا حقیقی اور آخری سہارا ہے جو ان کو ان کے اپنے جیسے انسانوں کی بندگی سے نجات دینے والا ہے۔

''ہم ان نظاموں کو جن میں بندے بندوں کی بندگی کرتے ہیں نظام جاہلیت سے منسوب کرتے ہیں۔خواہ ان نظاموں کی کتنی ہی مختلف شکلیں ہوں اور کتنی ہی سوسائٹیوں اور زمانوں میں چلتے رہے ہوں۔یہ نظام اسی بنیاد پر قائم ہیں جسے ختم کرنے کے لئے اور جس سے انسانیت کو رہائی دلا کر زمین ایک ہی الوہیت قائم کرنے کے لئے دین اسلام آیا ہے''۔(۲۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام نے پہلے بھی انسانوں کو اس پستی سے نجات دی ہے۔

سید قطب اس کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

''اسلام نے انہیں (اولین مخاطبین) بتوں، فرشتوں، جنوں، ستاروں اور آباء و اجداد کی

خدائی کے جاہلانہ عقائد و تصورات، احمقانہ اساطیر اور گندی خرافات کی پستیوں سے اوپر اٹھا کر توحید کے بلند افق تک منتقل کر دیا۔۔واحد خدا پر ایمان کے افق تک جو قادر مطلق ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کے اور کسی انسان کے مابین کوئی واسطہ نہیں، سب اس کے بندے اور سب اس کے غلام ہیں۔اس نے کاہنوں، پروہتوں اور ارباب اقتدار کے اقتدار سے آزادی بخشی، جس طرح کہ اس نے انہیں اوہام و خرافات کے چنگل سے نجات دلائی''۔(۲۴)

اس بات کی مزید وضاحت سید قطب اس طرح کرتے ہیں۔

''عربوں کے اجتماعی قوانین اور طور طریق میں طبقاتی امتیازات، ذلیل و پست عادات و اطوار اور جبر و استبداد کی تمام خرابیاں موجود تھیں اور ان خرابیوں میں وہ سب افراد ملوث تھے جنہیں اقتدار کا کچھ حصہ حاصل تھا۔اسلام نے جاہلیت کی ان پستیوں سے انہیں نجات دلائی اور انہیں اوپر اٹھایا۔۔۔۔۔۔اسلام نے ان کو رسم و رواج، عادات و اخلاق اور اجتماعی روابط و تعلقات میں جاہلیت کی پستیوں سے نکالا، انہیں اس پستی سے نکالا کہ وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے، عورتوں کو تنگ کرتے تھے، شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے، ان کے جنسی تعلقات میں انارکی تھی تبرج جاہلیت اور اختلاط مرد و زن تھا، اسی کے ساتھ عورت کو ذلیل و حقیر خیال کیا جاتا، جھگڑوں، خون کے انتقام اور لوٹ مار کے سلسلے عام تھے اور باہر کے کسی حملے کے مقابلے میں متحد ہو کر مقابلہ کرنے کے بجائے انتشار، ضعف اور وسائل کی کمی کا شکار ہوتے جیسا کہ حبشیوں کے، خانہ کعبہ پر حملے کے وقت ہوا''۔(۲۵)

واضح رہے کہ اصلاح عقیدہ، فکر اور عمل کا آغاز اسلام نے کسی سطحی کوشش سے نہیں کیا کیونکہ یہ پوری کوشش رائیگاں چلی جاتی بلکہ اسلام نے اس کام کو عقیدہ کی صالحیت اور خاصیت سے شروع کیا کہ یہ اساس ہے فطرت انسانی میں در آنے والے فاسد و باطل نظریات کی تطہیر کے لئے۔

اسلامی نظام نے جاہلیت کی خرابیوں اور رذائل اعمال کے علاج کا آغاز ان خرابیوں کی اصلاح سے نہیں کیا۔اس نے عقیدے۔ لا الہ الا اللہ کی شہادت سے کیا اور لا الہ کی حقیقت کو دلوں میں پیوست کرنے کا عمل اس دور میں تقریباً تیرہ سال جاری رہا۔اس پوری مدت

میں اسلامی نظام کے سامنے یہی ایک مقصد تھا۔یعنی لوگوں کے دلوں میں خدائے برحق کی معرفت پیدا کرنا اور انہیں ان کا بندہ اوراس کے اقتدار کا مطیع بنانا،یہاں تک کہ جب ان کے نفوس اللہ کے لئے خالص ویکسو ہوگئے اور اللہ کی پسند کے سوا اپنے نفوس کے لئے ان کی کوئی پسند نہیں رہی تب تفصیلی احکام کے نزول کا آغاز ہوا،جن میں عبادات بھی شامل تھیں اور اسی وقت جاہلیت کی اجتماعی ،اقتصادی،نفسیاتی،اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کے ازالے اور سماج کو ان سے پاک کرنے کا عمل شروع ہوا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا تھا،اس کے بندے چوں وچرا اور بحث ونزاع کے بغیر اس کا حکم ماننے لگتے تھے''۔(۲۶)

اور یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں سے ہمیشہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جب وہ مسلمان ہیں تو ان کو اسلام میں مکمل طور پر داخل ہوجانا چاہئے اور دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے ''الصراط المستقیم'' پر ہی گامزن رہ کر منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہنا چاہئے کیونکہ اہل ایمان کا اسلام کے علاوہ کسی دوسری طرف التفات کرنا،جاہلیت کو قبول کرکے اس کے مطابق زندگی گزارنے کا دوسرا نام ہے۔

''لوگ یا تو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے عطاکردہ اسلوب زندگی کے مطابق زندگی بسر کریں یعنی وہ مسلمان ہوں یا کسی دوسرے انسان کے اپنے بنائے ہوئے اسلوب کے مطابق زندگی بسر کریں کہ وہ اس جاہلیت میں ہوں جسے ہمارا دین بالکل لاتعلق ہے''۔(۲۷)

اور دوسری جگہ اس تصور کی تفصیل ان الفاظ میں پیش کی ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دعوت دی ہے کہ وہ ''سلم'' (اللہ کی اطاعت)میں پورے کے پورے داخل ہوجائیں۔اس کے ساتھ ہی انہیں متنبہ کیا کہ وہ شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کریں!کیونکہ دو ہی راستے اور دو ہی رخ ہیں۔ یا سلم (اللہ کی اطاعت)میں پورے کا پورا داخل ہوجانا یا شیطان کی راہ،یا اللہ کی ہدایت یا شیطان کا بہکاوا،یا اسلام اور یا جاہلیت''(۲۸)

مولانا صدر الدین اصلاحی اس نظریہ کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''اسلام کے سوا جو کچھ ہے،جتنے مذاہب اور نظام ہائے فکروعمل ہیں،ان میں سے کوئی نہیں جسے پوری طرح حق کہا جاسکے،اس کے اندر حق کے اجزا تو موجود ہوسکتے ہیں لیکن سب

کچھ حق نہیں ہوسکتا۔دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ یا تو سرے سے پیرتک غلط ہوگا یا پھر غلط اور صحیح کا ملغوبہ ہوگا۔ایسے تمام مذاہب اورنظام ہائے فکروعمل کی تعبیر کے لئے ایک جامع لفظ جاہلیت ہے۔جاہلیت اسی ایک کام بچے مذہب اسلام کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد مذہبی یا اخلاقی نوعیت کی ہر وہ چیز اور طور طریقہ ہے جس کا سرچشمہ اللہ کا دین یعنی اسلام نہ ہو''(۲۹)

واضح رہے کہ بعض ذہن جاہلیت کا لفظ سن کرچونک جاتے ہیں اور وہ یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ آج کے اس بظاہر انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی کوئی جاہلی نظام ،جاہلی سماج اور جاہلیت پر مبنی طرز زندگی ،افریقہ اور ایشیاء کے کسی دور دراز،پسماندہ،غریب اور جملہ انسانی ترقیات سے محروم کسی ملک وملت میں نہیں بلکہ خود دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ اور متمدن ممالک میں پایا جاسکتا ہے۔بقول محمد قطب کے:

''آج ایک جدیدیت پسند طبقہ ایسا ہے جو بیسویں اوراکیسویں صدی میں جاہلیت کے ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔جبکہ ایک گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت علم وتمدن،مادی ترقیات،فکری،اجتماعی،سیاسی،اور انسانی اقدار کے بالمقابل ہے(۳۰)

پھر خود اس کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

''جاہلیت یہ ہے کہ جاہلیت معاشرے کی کسی مخصوص شکل اور تاریخ کے کسی خاص دور کا نام نہیں ہے بلکہ جاہلیت معاشرے کی ایک کیفیت کا نام ہے۔البتہ اس کے مظاہر معاشرے کی حالت اور زمانے کی رفتار کے مطابق بدلتے رہتے ہیں مگر سب صورتوں میں قدر مشترک یہی ہوتی ہے کہ سب ہی جاہلیت کے نوع بہ نوع پیکر ہیں۔اگرچہ ہر پیکر اپنی ظاہری شکل میں دوسرے سے مختلف ہے۔اس لحاظ سے خواہ مذکرہ اسلام سے پہلے کی جاہلیت کا ہو یا دور جاہلیت کا،یہ جاہلیت علم وفن،مادی ترقی اورانسان کی فکری اور سماجی اقدار کی ضد اور اس کے منافی نہیں ہے۔بلکہ قرآن کریم کی منشاء ومراد کے مطابق ،جاہلیت اس نفسیاتی کشمکش کا نام ہے۔جس میں پھنس کر لوگ اللہ کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور وہ انتظامی ڈھانچہ بھی جو اللہ کے نازل کردہ احکام کو نہیں مانتا۔(۳۱)

سید قطب بھی اسلام کے ماسوا ہر عقیدہ ونظریہ،نظام اور طرز زندگی کو جاہلیت ہی کی

شکل اور قسم سمجھتے ہیں اور بالخصوص بیسویں صدی کی تمام جاہلیتوں کو جاہلیت قدیمہ کا جدید ایڈیشن سمجھتے ہیں۔

''جاہلیت بہر حال جاہلیت ہے اور ہر جاہلیت گندگیوں اور ناپاکیوں سے پر ہوتی ہے۔اس میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ کس دور اور کس مقام کی جاہلیت ہے۔جب لوگوں کے دل خدائی عقیدے سے ۔جو ان کے افکار وتصورات پر چھایا ہوا ہو۔اور شریعت الٰہی سے ،جو اس عقیدہ سے پھوٹتی ہے،جو ان کی زندگی پر حکمراں ہو،خالی ہو وہاں جاہلیت اپنی بہت سی صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود ہوگی۔آج انسانیت جس جاہلیت کی کیچڑ میں لوٹ رہی ہے وہ اپنی نظرت اور طبیعت کے لحاظ سے عرب کی جاہلیت یا اس زمانے میں زمین کے اطراف و جوانب میں پھیلی ہوئی جاہلیتوں سے مختلف نہیں ہے''۔(۳۲)

یعنی آج کی جدید جاہلیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی جاہلیت میں سوائے زمانی ومکانی فرق کے دوسرا کوئی اہم فرق نہیں دونوں جاہلیتیں اپنے مزاج اور مقاصد کے لحاظ سے یک جان اور دو قالب کا مصداق ہیں۔

''آج کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے جاہلی معاشرے اور نظاموں میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔عصر حاضر میں غالب جدید جاہلی معاشرے اور نظام ہائے باطلہ بظاہر ترقی یافتہ اور بڑے ٹیکنیکل ہیں لیکن ان کے باطل اور فاسد ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔کیونکہ ان کی وجہ سے آج انسانیت جدید جاہلیت کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی ہے اور ہدایت وصراط مستقیم کے بجائے گمراہی اور ضلالت کے راستے پر چل رہی ہے''(۳۳)۔۔۔۔۔۔۔

اور ضروری نہیں کہ آج کے ترقی یافتہ معاشرے لازماً کسی دینی ،لادینی ،سیکولر ،جمہوری ،اشتراکی یا سرمایہ داری کے نام پر ہی قائم ہوں تو ان کو جاہلی معاشرے کہا جائے گا بلکہ اسلام کے علاوہ کسی بھی دوسری بنیاد کا ہونا ان معاشروں اور نظام ہائے زندگی کے جاہلی نظام ہونے کے لئے کافی ہے۔یہاں تک کہ اگر خود اسلامی ممالک میں مسلمان معاشروں کا طرز حیات اسلام کی اساس کے علاوہ کسی دوسری بنیاد پر قائم ہے تو وہ مسلمان معاشرے بھی جاہلی معاشرے ہیں۔

''آج پوری دنیا میں جاہلی معاشرے اور نظام ہائے باطلہ قائم ہیں ۔کہیں بھی اسلامی معاشرے اور نظام کا وجود نہیں ہے۔چاہے یہ معاشرے اور نظام ،اشتراکیت کی بنیاد پر قائم ہوں یا سرمایہ دارانہ نظریہ کی بنیاد پر،بت پرستی اور ہندومت کی اساس پر قائم ہوں یا یہودیت ونصرانیت کی بنیاد پر،بہرصورت یہ معاشرے اور نظام جاہلی اور باطل ہیں۔اسی طرح نام نہاد مسلم ممالک میں اسلامی معاشرہ اور نظام کے بجائے جاہلی معاشروں اور باطل نظاموں کا دور دورہ ہے۔''(۳۴)

اسلام کی نظر میں مسلم معاشرہ کے سوا ہر دوسرا معاشرہ جاہلی معاشرہ ہے۔یعنی ہر وہ معاشرہ جو اپنی بندگی کو خواہ وہ اعتقاد وتصور میں ہو مراسم عبادت میں ہو یا قانونی نظام میں بصرف اللہ کے لئے خالص نہیں کرتا ہو،وہ جاہلی معاشرہ کہلائے گا۔اس تعریف کی رو سے آج دنیا میں جتنے معاشرے پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب ''جاہلی معاشرے''ہیں(۳۵)

اور اگر اس صورت حال یعنی جاہلی نظام کو بدلا نہیں گیا بلکہ جوں کا توں رکھنے اور اسے ترقی دینے کی کوشش کی گئی تو انسان کے مقدر میں سوائے تباہی وبربادی کے سوا کچھ نہیں آسکے گا۔

نوع انسانی خواہ ملحدانہ مادی مسلکوں کی پیروی کرے یا ان مادی مسلک کی ،جو دین کو ایک عقیدے کی حیثیت سے جو عملی زندگی کے نظام سے الگ تھلگ اور دور ہو،باقی رکھنا چاہتے ہیں اور جو یہ تصور کرتے ہیں یا نوع انسانی کے دشمن اسے یہ باور کراتے ہیں کہ دین کا تعلق اللہ سے ہے اور زندگی کا انسانوں سے اور دین عقیدہ وجذبات ،عبادات اور اخلاق پر مشتمل ہے اور زندگی نظام ،قانون،پیداوار،دنیوی کام کاج اور عملی جدوجہد پر مشتمل ہے،ہر دو صورت میں نوع انسانی شقاوت وبدبختی سے دوچار رہے گی''۔(۳۶)

اس تقسیم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانوں میں سے ہی ایک بالادست گروہ خود آقا بن کر اپنے جیسے دوسرے انسانوں کو زیر دست رکھنے کے لئے احکام اور قانون سازی کرتا ہے اور یہی جاہلیت کی بنیادی خصوصیت ہے۔

''جاہلیت کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ احکام اور قانون سازی میں خدائی نظام اور

زندگی کے لئے خدائی شریعت کی طرف رجوع کرنے کے بجائے انسانی خواہشات ومیلانات کی طرف رجوع کیا جائے،خواہشات کسی فرد کی ہوں ،کسی طبقہ کی ہوں،کسی قوم کی ہوں،یا ایک دور کے سب انسانوں کی ،سب کی حیثیت یکساں ہے،جب تک خدائی شریعت کی طرف رجوع نہ کیا جائے ،وہ سب ہواء ہوس ہی ہیں''۔(۳۷)

باالفاظ دیگر

''اللہ کے علاوہ جو بھی انسانوں کے لئے قانون سازی کرے گا ،انسان اسی کے بندے ہونگے جس نے ان کے لئے قانو وضع کیا،خواہ وہ ایک فرد ہو،ایک طبقہ،ایک قوم یا سب اقوام کا مجموعہ۔اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے قانون وضع کرتا ہے۔تو سب انسان حریت وآزادی اورمساوی حیثیت کے مالک ہوجاتے ہیں ،وہ اللہ کے سوا کسی کے آگے سرنہیں جھکاتے اور اللہ کے سوا کسی کی بندگی وعبادت نہیں کرتے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ (۳۸)

ترجمہ:اگر حق ان کے ہوائے نفس کی پیروی کرتا تو آسمان اورزمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب فساد واختلال کی نذر ہوجاتا''

مغربی تہذیب سمیت تمام ترقی یافتہ ممالک بظاہر مادی خوشحالی اورترقی کے ایک عظیم فساد اور اختلال کا شکار ہے جس کا سبب ان کا اللہ کی ہدایت سے روگردانی کرکے نفس اور شیطان کے بنائے ہوئے اسلوب حیات کی پیروی کرنا ہے۔سید قطب نے اس ضمن میں مالی طورپر یورپ کے سب سے زیادہ خوشحال اورترقی یافتہ ملک سویڈن کی مثال دی ہے جہاں کے شہریوں کوروئے زمین پر ہرممکن سہولت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود یہ قوم کس قدر مصائب وآلام وروحانی ونفسیاتی امراض کا شکار ہے۔

''اس قوم کو فنا کا خطرہ درپیش ہے،جنسی انارکی کے نتیجے میں سویڈن کی آبادی مسلسل کم ہوتی چلی جارہی ہے،ہر چھ شادیوں میں سے اوسطاً ایک شادی طلاق پر منتج ہوتی ہے،اور یہ نتیجہ ہے خواہشات وشہوات کی کھلی ہوئی چھوٹ ،ہنگامہ وفساد کے عموم اوراختلاط مردوزن کی آزادی کا،نوجوان نسل کرپٹ ہے اور منکرات ومنشیات کی بری طرح عادی ہے۔نشے کی بدولت

اس خلاکو پر کرنے کے لئے جو روح کے ایمان سے خالی ہونے اورعقیدے کا اطمینان دلوں کو نہ ملنے سے پیدا ہوا ہے،ذہنی اوراعصابی امراض اورہرطرح کے عدم توازن اورکج روی نے ہزار ہا افراد،اعصاب اور ارواح کو شکار کررکھا ہے،اور اس سب کے نتیجے میں خودکشیوں کی بھرمار ہے۔کچھ ایسا ہی حال امریکا کا ہے اور روس کا حال تو اس سے بھی بدتر ہے۔یہ بدبختی اورشقاوت ہر اس قلب کے لئے مقدر ہے جو ایمان کی لذت اورعقیدے کی ضمانیت سے محروم ہو''(۳۹)

اس جدید جاہلیت کا اثر سویڈن یا کسی اورقوم تک محدود نہیں بلکہ اس کے اثرات و نتائج بد سے پوری انسانیت کے وجود تک کو تک کو تباہی کا شکار بنارکھا ہے۔اخلاق وکردار ، سیرت وعمل ، سیاست ومعاشرت، مالیات اور اقتصادیات غرضیکہ زندگی کے تمام پہلو تنزلی کا شکار ہیں۔

''آج انسانیت ایک بڑے قحبہ خانے میں زندگی بسر کررہی ہے۔آج کی صحافت فلموں فیشن ہاؤسوں،حسن کے مقابلوں،رقص گاہوں،شراب خانوں اور ریڈیو(ٹی وی)کو دیکھو،عریاں جسم کے لئے مجنونانہ بھوک،خواہشات کو بھڑکانے والے لباس واطوار اور ادب،فن اورذرائع ابلاغ میں مریضانہ خیالات اور اشارات کو دیکھو،اسی کے ساتھ سودی نظام،اس کے پیچھے چھپی ہوئی دولت کی بھوک اور دولت کو سمیٹنے اور اسے زیادہ سے زیادہ بارآور کرنے کے لئے غلط اورخسیس ذرائع ،فراڈ،حیلہ بازی اورلوٹ کھسوٹ ،جس نے قانون کا جامہ پہن لیا ہے۔ان سب کو نظر میں رکھو،پھر اس اخلاقی پستی اورسماجی انارکی کو دیکھو،جو ہر شخص ،ہر خاندان،ہرنظام اور ہر انسانی جمعیت کے لئے تباہی وبربادی کی دھمکی ہے۔ان سب چیزوں کودیکھنے کے بعد بآسانی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس جاہلیت کے زیر سایہ انسانیت ایک خطرناک انجام کی طرف بڑھ رہی ہے''۔(۴۰)

جاہلیت کا اثر اگرچہ کہ معاشرہ کے ہرادارے اور زندگی کے ہر شعبہ پر ہوتا ہے اورتمام رذائل اورمنفی صفات لوگوں کے دل ودماغ کو پراگندہ کردیتی ہیں لیکن اس سے بھی بڑھ کر اس جاہلیت کے نتیجے میں خود انسان کی اپنی انسانیت داؤ پر لگ جاتی ہے۔اور وہ انسان کے بجائے حیوان بلکہ اس سے بھی پست سطح پر پہنچ جاتا ہے جسے قرآن کریم نے

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (۴۱) اور

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (۴۲) کہا ہے۔

"نوع انسانی اپنی انسانیت کو کھا رہی ہے اور اس کی آدمیت تحلیل ہو کر فنا ہو رہی ہے۔وہ حیوانیت اور حیوانیت کو بھڑکانے والی چیزوں کی طرف بری طرح لپک رہی ہے تاکہ ان کی پست دنیا میں شامل ہو جائے۔نہیں نہیں!حیوانات ان سے زیادہ لطیف ،زیادہ شریف اور زیادہ پاکیزہ ہوتے ہیں ،وہ ایک منضبط فطرت کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ان کی یہ فطرت نہ متغیر ہوتی ہے اور نہ اس میں سڑاند پیدا ہوتی ہے جیسی سڑاند انسانی خواہشات میں پیدا ہوتی ہے۔جب انسان خدائی عقیدے کی رسی اور عقیدے کے نظام سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے اور اس جاہلیت کی طرف واپس چلا جاتا ہے جس سے اللہ نے اسے نجات بخشی تھی"۔(۴۳)

لیکن سید قطب کی اس توضیح کے بعد اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ درون خانہ ان تمام مفاسد اور بیماریوں کے باوجود بظاہر جتنے بھی جاہلی معاشرے ہیں ان کی ترقیاں حیران کن ہیں۔ان کے لوگوں کی آسائشیں اور راحتیں اور مالی فراخی اہل ایمان کی عقیدہ کو ڈگمگا دیتی ہیں تو اس کا سادہ جواب ہے کہ مادی کشاکش اور ترقی ہی وہ اصلی اور حقیقی سبب جس کی بنیاد پر لوگ غائب پر موجود کو ترجیح اور دین پر دنیا کو اہمیت دیتے ہیں۔

"جاہلیت کے اندر نشوونما اور ارتقاء کی زبردست صلاحیت ہوتی ہے۔وہ مسلسل ترقی کرتی اور انسانی ذہن میں مضبوطی سے جمتی چلی جاتی ہے۔اور جوں جوں اس کے اندر وسعت اور گہرائی آتی جاتی ہے عقل صحیح اور فطرت سلیم سے اس کی آویزش بڑھتی چلی جاتی ہے۔یہاں تک کہ ایک وقت چل کر وہ آدمی کے ذہن سے یہ تصور کو بھی نکال باہر کرتی ہے کہ وہ 'انسان' ہے اور اسے بس یہ باور کرا دیتی ہے کہ وہ بس ایک اونچے درجے کا حیوان ہے۔اور یہ خیال ایسا خیال ہوتا ہے جس کے بطن سے مادیت، عشق دنیا ،خود غرضی ،لذت پرستی ،ظلم ،سرکشی ،انکبار اور فساد فی الارض جیسی برائیوں کے سوا کچھ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔انانیت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ یہ انسان :ناتخلوق من ھو اشدُّ مِنّا قوۃ کا نعرہ بلند کرنے سے بھی باز نہیں رہتی اور(بالآخر)......انا ربکم الاعلیٰ کا اعلان کر دیتی ہے"۔(۴۴)

سید قطب شہید اس شک وشبہ کو یوں رفع کرتے ہیں۔

"لوگوں کا ملکوں اور شہروں میں چلنا پھرنا ،سیاحتیں کرنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ نعمتوں سے مالا مال اور صاحب مرتبت واقتدار ہیں۔یہ ایسی صورتحال ہے جس سے دلوں میں لامحالہ خلش محسوس ہوتی ہے ،خصوصاً اہل ایمان کے دلوں میں ،جو تنگ دستی اور محرومی کی مشقت جھیل رہے ہیں اور اذیت ،ظلم وستم اور جہاد کی زحمتیں اٹھا رہے ہیں۔اس صورت حال سے نا فل اور بے خبر عوام کے دل بھی متاثر ہوتے ہیں۔وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ حق اور اہل حق زحمتوں اور مشقتوں سے دوچار ہیں اور اہل باطل نہ صرف ان زحمتوں سے نجات پائے ہوئے ہیں ،بلکہ خوش حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔پھر اس صورتحال کا اثر خود گمراہ اہل باطل کے دلوں پر پڑتا ہے اور وہ ضلالت ،کبر وعناد اور شر وفساد میں بڑھتے چلے جاتے ہیں"۔(۴۵)

واضح رہے کہ جاہلیت اور جاہلی نظام انسان کے مادی نمو وارتقاء اور معاشی اور مالی بلکہ تمدنی اور سیاسی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس معاملہ میں وہ انسان کا ہمنوا بلکہ رہنما ہوتا ہے۔ہاں جہاں دین ،اخلاق اور روح وقلب اور انسان کا خدا اور آخرت کے ساتھ رشتہ اور تعلق کی بات آئے تو یہ جاہلیت اس کی دشمن ہو جاتی ہے۔

"جاہلیت کی مار انسان کی اس بھاگ دوڑ پر نہیں پڑا کرتی جس کا تعلق دنیا کے معاملات اور مادی مفادات سے ہوتا ہے۔وہ عقل انسانی کی کارکردگی پر صرف اس وقت حملہ کرتی ہے جب وہ دین واخلاق کے مسئلے پر غور کر رہی ہو۔اس کو عناد صرف دین واخلاق سے ہے۔دنیا اور مادی مفادات سے قطعاً نہیں ہے۔انسان کا مادی ترقی کی طرف بڑھنا اس کے مقاصد کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا بلکہ بالعموم معاون ومددگار ہی بنا کرتا ہے۔کیونکہ اسے جس قدر زیادہ معاشی اور تمدنی اور سیاسی عروج حاصل ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کا رشتہ خدا اور آخرت سے کمزور پڑتا چلا جاتا ہے۔اور یہی جاہلیت کو مطلوب ہے"۔ (۴۶)

اس صورت حال میں اسلام اہل حق اور متلاشیان حق کو بے یار ومددگار بلکہ یاس وحسرت میں سرگرداں نہیں چھوڑتا بلکہ جملہ مادی ترغیبات ،کثرت مال وزر ،لذات وشہوات ،حرص وہوس ،آزادی اور معاشی استحکام ،سیاسی ،معاشی وعسکری تفوق اور بظاہر کافروں کو حاصل شدہ

خوشحالی اور متاع دنیا کو متاعٌ قلیلٌ قرار دے کر اس کے مقابلے میں جس خوبصورت، منعم، پرآسائش، پرلذت، پرسکون، راحت و عافیت اور نعمتوں، رحمتوں اور برکتوں سے مالامال ابدی، سرمدی، صحت مند، باوقار و باعزت زندگی جو اللہ کی طرف سے ہمیشہ کی مہمانی وضیافت کا عنوان لئے ہوئے ہوگی، کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اہل ایمان کے دلوں کو ظاہر سے زیادہ غائب پر ایمان رکھنے اور اس عقیدہ کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جڑے رہنے کو مسلسل اور مستقل طور پر تقویت دیتا ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ (196) مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (197) لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ (198) (۴۷)

ترجمہ: تمہیں شہروں میں اہل کفر کا چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈالے! یہ بس تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ لیکن وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کی رضا والی زندگی گزاری، ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان کی مہمان نوازی ان کے رب کے پاس (ان کی منتظر ہے)! اور جو کچھ (لذتیں و نعمتیں) ان کے رب کے پاس ہیں وہ (دنیاوی لذتوں) سے کہیں زیادہ حق شناسوں کے لیے بہتر ہیں۔

دنیا اور آخرت میں کامیابی اور زمین پر اللہ کے پیغام کے داعی و علمبردار اور پھر زمین پر اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے قیام کے لئے اسلام انسانوں کا تزکیہ کرکے ان کی پوری زندگی اور اس کے جملہ پہلوؤں کو پاک و صاف کرتا ہے تاکہ ایسے مزکی و مصفی لوگ زمین پر خلافت الٰہی کے اہل بن سکیں۔

''اسلام انہیں پاک کرتا ہے، انہیں رفعت و بلندی بخشتا اور انہیں پاکیزگی عطا فرماتا ہے۔ وہ ان کے قلوب، تصورات اور جذبات کو پاک کرتا ہے، وہ ان کے گھروں، ہماراتوں، آبروؤں اور تعلقات کو پاکیزہ بناتا ہے، وہ ان کی زندگی، ان کے سماج اور ان کی تنظیموں کو پاک صاف کرتا ہے، وہ انہیں شرک، بت پرستی اور خرافات و اساطیر سے اور ان مشرکانہ تصورات و خرافات سے

زندگی میں انسان اور انسانیت کے لئے جو مذموم اور قابل شرم مراسم، عبادات اور اوضاع و اطوار پھیلتے اور رواج پاتے ہیں، ان سب سے انہیں پاک کرتا ہے، وہ حیات جاہلیت کی گندگی اور اس گندگی میں لت پت احساسات، عبادات، رسوم اور اقدار و افکار سے انہیں پاک صاف کرتا اور نجات بخشتا ہے''۔(۴۸)

اس تزکیہ اور پاکی کے نتیجے میں مسلمان ہر ذی روح اور ہر شے کے لئے سراسر سلامتی بلکہ سراپا سلامتی بن جاتا ہے۔

''مسلمان جب اس دعوت کو قبول کرلیتا ہے تو وہ ایک ایسی دنیا میں داخل ہوجاتا ہے جو سرتاسر صلح و آشتی اور سرتا سر سلامتی ہے! جس میں سرتا سر اطمینان، اعتماد، خوشنودی و رضا اور سکون و قرار ہے! جہاں کوئی حیرانی، کوئی اضطراب، کوئی انحراف اور ادھر ادھر بھٹکنا پھرنا نہیں، سلامتی! پوری کائنات اور ہر موجود شے کی سلامتی! سلامتی، جو انسان کے باطن اور اس کے اندر ان میں اتر جاتی ہے! سلامتی جو زندگی اور سماج پر سایہ فگن ہوتی ہے! سلامتی زمین میں! سلامتی آسمان میں''۔(۴۹)

اور یہ سلامتی جو فرد، معاشرہ، حکومت، جمادات، نباتات بلکہ پوری کائنات کو فیضیاب کرتی ہے اس کا منبع کہیں اور نہیں بلکہ خود اسلام ہی اس کا سرچشمہ ہے اس لئے ہر وہ فرد، معاشرہ، حکومت جو حقیقتاً اور عملاً اسلام کو قبول کرلے گا وہ مکمل سلامتی کے زیر سایہ آتا چلا جائے گا۔

''کتنی دقیق اور کتنی سچی ہے یہ تعبیر اس دین کے لئے وہ ''اسلام'' (سلامتی) ہے، وہ سلامتی، جسے یہ دین پوری زندگی میں انڈیل دیتا ہے۔ فرد کی سلامتی، جماعت کی سلامتی، عالم کی سلامتی، دل کی سلامتی، عقل کی سلامتی، اعضاء و جوارح کی سلامتی، گھر اور خاندان کی سلامتی، سماج اور امت کی سلامتی۔ انسان اور انسانیت کی سلامتی، امن و سلامتی والی زندگی کے ساتھ، امن و سلامتی کائنات کے ساتھ، امن و سلامتی اللہ کے ساتھ، جو زندگی اور کائنات کا رب ہے، سلامتی، جسے انسانیت اس دین، اس کے طریق کے زندگی، اس کے نظام، اس کی شریعت اور اس کے سماج کے سوا، جو اس کے عقیدے اور شریعت کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، کسی اور جگہ نہیں پا سکتی اور نہ

ایک دن کے لئے بھی اس نے اس سلامتی کو کہیں اور پایا"۔(۵۰)

لیکن کیا آج مسلمانوں کا کوئی بھی معاشرہ ان مذکورہ اوصاف کا حامل نظر آتا ہے؟اس کا واضح اور دوٹوک جواب ہے کہ روئے زمین پر سردست ان اوصاف کا حامل کوئی مسلم معاشرہ نہیں پایا جاتا اور اس کا سبب خارجی عوامل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اپنی عقیدہ ،اخلاق و معاملات کی کمزوریاں ہیں جس نے انہیں ذہنی،عقلی،علمی، تہذیبی، ثقافتی، اقداری، معاشرتی،سیاسی،اقتصادی،عسکری اور تنظیمی طور پر دیمک زدہ کردیا ہے اور یوں وہ خود بھی امن وسکون،سلامتی اور اطمینان سے محروم ہوگئے ہیں اور باقی دنیا بھی جنگ و جدل،فساد ودہشت گردی اور خوف وہراس کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہے۔

لیکن ایسا کیوں ہے؟اس لئے کہ خود مسلمانوں نے اپنی پسند (جاہلیت) کے مقابلے میں اللہ کی پسند(اسلام) کو چھوڑ دیا ہے۔

"ہم لوگ(مسلمان) جنہوں نے تاریخ کے ایک دور میں ،اس سلامتی کے دائرے میں زندگی گزاری ہے،پھر اس سلامتی کے دائرے سے نکل کر ان جنگوں کے گھیرے میں آگئے ہیں۔جو ہماری ارواح،ہمارے قلوب،ہمارے اخلاق،ہماری زندگی،ہمارے سماج اور ہماری مختلف نسلوں اور قبیلوں کو بری طرح کچل رہی ہیں،ہم لوگ آج اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں۔ہم اس سلامتی کے دائرے میں ،جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہے،پھر داخل ہوسکتے ہیں بشرطیکہ ہم اس کی رضا کی پیروی کریں اور اس دین کو اپنے لئے پسند کریں۔جو اللہ نے ہمارے لئے پسند کیا ہے۔۔۔۔۔آخر اس سے زیادہ گھاٹے اور تباہی کا سودا اور کون سا ہے کہ ہم بہترین چیز (اسلام)کے بدلے میں حقیر چیز (جاہلیت) کو اپنائیں،ہدایت کے بدلے گمراہی خریدیں اور امن وسلامتی پر جنگ کو ترجیح دیں۔۔۔۔۔(کیونکہ) ہم جاہلیت کی تباہ کاریوں سے نوانسانی کو اسی وقت بچا سکتے ہیں جب کہ ہم اپنے آپ کو جاہلیت سے بچالیں اور اسلام کی سلامتی کے زیر سایہ آجائیں"۔(۵۱)

اور ایسا ہونا بالکل ممکن ہے کہ مسلمان جاہلیت کی ظلمت سے اسلام کی روشنی میں اور جاہلیت کے فساد وشر سے اسلام کی سلامتی اور راحت میں داخل ہوں بشرطیکہ وہ

"اپنی وفاداریوں کا رشتہ(جاہلی قیادت) سے کاٹ دے،اور جاہلی قیادت سے بغاوت کرے، چاہے (وہ) کسی بھیس میں ہو،کاہنوں،پروہتوں، جادوگروں اور قیافہ شناسوں کی مذہبی قیادت ہو،یا سیاسی،معاشرتی اور اقتصادی قیادت ہو جیسی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قریش کو حاصل تھی""۔(۵۲)

اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟سید قطب اس سلسلے میں رہنمائی کے لئے جو شرائط پیش کرتے ہیں وہ ہے مسلمانوں کی تنظیم تحریک اور ان کی فعال،مومن بیدار مغز اور روشن ضمیر بہادر اور باہمت قیادت ہے۔

"یہ سب فرائض وہ ایک ایسی بیدار مغز،دور اندیش اور روشن ضمیر قیادت کی رہنمائی میں سرانجام دے سکتے ہیں ،جو جاہلی قیادت سے مستقل اور جداگانہ وجود رکھتی ہو،جو ایک طرف ان کی حرکت اور تگ و دو کی تنظیم کرے ،اور اس میں یکجہتی ،وحدت اور یگانگت پیدا کرے،اور دوسری طرف ان کے "اسلامی وجود" کے استحکام اور توسیع وتقویت کا بھی انتظام کرے،اور اپنے حریف مقابل ۔۔۔۔جاہلی وجود۔۔۔۔کو زائل اور اس کے اثرات کو ناپید کرنے میں ان کی رہنمائی کرے"۔ (۵۳)

حوالہ جات

(۱) القرآن سورۃ آل عمران ۳،آیت ۱۵۴
(۲) القرآن سورۃ المائدہ۵ ،آیت ۵۰
(۳) القرآن سورۃ الاحزاب ۳۳،آیت ۳۳
(۴) القرآن سورۃ الفتح ۴۸،آیت ۲۶
(۵)المنجد عربی اردو،دارالاشاعت،کراچی،پاکستان طبع یازدہم ۱۹۹۴ء،ص ۱۶۲
(۶) اورنگ زیب اعظمی،افادات مولانا امین احسن اصلاحی،دار التذکیر لاہور پاکستان ۲۰۰۵،صفحہ ۸۵
(۷) ایضا صفحہ ۸۵
(۸)الیاس انطون الیاس،قاموس الیاس العصری،دار الجیل بیروت،۱۹۹۰، ص:۱۲۶
(۹) شیخ ابن تیمیہ ،اقتضاء الصراط المستقیم ص۵۶،بحوالہ معرکہ اسلام و جاہلیت مولانا صدرالدین اصلاحی،اسلامک

دبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور پاکستان نومبر ۱۹۸۴ء، ص ۱۴

(۱۰) سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا، تفہیم القرآن، (جلد اول) مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور پاکستان، چودھواں ایڈیشن،

۱۹۷۷ء، ص ۴۷۹

(۱۱) محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، (جلد اول) ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان، پانچواں

ایڈیشن، رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ، ص ۴۸۰

(۱۲) احمد یار خان نعیمی، مفتی، نور العرفان علی کنز الایمان، انگریزی ترجمہ، مولانا محمد حسین مقدم، دارالعلوم پریٹوریا)

جنوبی افریقہ، تیسرا ایڈیشن، ۲۰۰۸ء، ص ۲۵۵

(۱۳) محمد زاہد اقبال، مولانا، عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ادارہ نشریات محمود حسن، لاہور پاکستان، جنوری

۲۰۰۸ء، ص ۵۵

(۱۴) محمد قطب، جدید جاہلیت، مترجم، ساجد الرحمٰن صدیقی، البدر پبلی کیشنز لاہور پاکستان، اشاعت دوم، مارچ،

۱۹۸۰ء، ص ۴۳

(۱۵) ایضاً، ص ۱۴

(۱۶) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد سوم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۴۵

(۱۷) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد چہارم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۴۲۶

(۱۸) القرآن سورۃ مائدہ (۵) آیت ۱۶۱

(۱۹) محمد کرم شاہ الازہری، پیر، ضیاء القرآن، (جلد اول) ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور پاکستان، پانچواں ایڈیشن،

رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ، ص ۴۵۴

(۲۰) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد چہارم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۱۲۶

(۲۱) ایضاً، ص ۱۲۶

(۲۲) القرآن سورہ مائدہ آیت ۱۶۱

(۲۳) سید قطب شہید، اسلام کا ریشن مستقبل، مترجم عبدالحمید صدیقی، البدر پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸

(۲۴) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد چہارم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور پاکستان،

۱۹۹۱ء، ص ۸۴

(۲۵) ایضاً، ص ۸۴، ۸۳

(۲۶) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد چہارم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور پاکستان،

۱۹۹۳ء، ص ۳۰۵

(۲۷) سید قطب شہید، اسلام کا ریشن مستقبل، مترجم عبدالحمید صدیقی، البدر پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص ۱۹

(۲۸) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد اول، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۳ء، ص ۵۲۱

(۲۹) صدرالدین اصلاحی، مولانا، معرکہ اسلام و جاہلیت، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور پاکستان، نومبر ۱۹۸۴ء، ص

۱۴

(۳۰) محمد قطب، جدید جاہلیت، مترجم، ساجد الرحمٰن صدیقی، البدر پبلی کیشنز لاہور پاکستان، اشاعت دوم، مارچ،

۱۹۸۰ء، ص ۱۱

(۳۱) حوالہ ماقبل، ایضاً، ص ۱۵

(۳۲) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد چہارم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۳۰۵

(۳۳) محمد زاہد اقبال، مولانا، عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ادارہ نشریات محمود حسن، لاہور پاکستان، جنوری

۲۰۰۸ء، ص ۵۵

(۳۴) ایضاً

(۳۵) سید قطب شہید، جادہ منزل، مترجم خلیل احمد حامدی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان،

نومبر ۱۹۹۳ء، ص ۳۳۷

(۳۶) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد چہارم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۳۱۴

(۳۷) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد چہارم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۴۰۴

(۳۸) القرآن، سورہ المومنون: ۷۰

(۳۹) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد اول، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۵۴

(۴۰) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، جلد دوم، مترجم سید حامد علی، البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان،

۱۹۹۰ء، ص ۳۰۵ تا ۳۰۶

(۴۱) القرآن، سورہ یٰسین: ۵

(۴۲) القرآن سورہ الاعراف:

(۴۳) سید قطب شہید تفسیر فی ظلال القرآن جلد دوم مترجم سید حامد علی البدر پبلی کیشنز لاہور پاکستان، ۱۹۹۰ء ص ۳۰۶

(۴۴) صدرالدین اصلاحی مولانا معرکہ اسلام و جاہلیت ص: ۱۴ تا ۱۵

(۴۵) سید قطب شہید تفسیر فی ظلال القرآن مترجم سید حامد علی جلد دوم البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان ۱۹۹۰ء ص ۲۹۷

(۴۶) صدرالدین اصلاحی مولانا معرکہ اسلام و جاہلیت جلد دوم اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، پاکستان، نومبر ۱۹۸۴ء، ص: ۱۵ تا ۱۶

(۴۷) القرآن سورۃ آل عمران ۳، آیت ۱۹۶

(۴۸) سید قطب شہید تفسیر فی ظلال القرآن مترجم سید حامد علی جلد دوم البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء ص ۲۹۷

(۴۹) سید قطب شہید تفسیر فی ظلال القرآن مترجم سید حامد علی جلد اول البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان ۱۹۹۰ء ص ۵۱۴

(۵۰) سید قطب شہید تفسیر فی ظلال القرآن مترجم سید حامد علی جلد چہارم البدر پبلی کیشنز لاہور پاکستان ۱۹۹۰ء ص ۱۴۲

(۵۱) سید قطب شہید تفسیر فی ظلال القرآن مترجم سید حامد علی جلد چہارم البدر پبلی کیشنز لاہور، پاکستان، ۱۹۹۰ء ص ۱۴۵

(۵۲) سید قطب شہید، جادہ منزل مترجم خلیل احمد حامدی، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، نومبر ۱۹۹۳ء ص ۱۵۳

(۵۳) سید قطب شہید، جادہ منزل مترجم خلیل احمد حامدی، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان، نومبر ۱۹۹۳ء ص ۱۵۴

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، شمارہ ۱۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء

عالمی معاشرے کا قیام اور اس کے اثرات

سمیرہ بانو

Abstract

The process of Globalization is on its peak. It is the requisition of wisdom to have an objective approach towards it and to give a profound consideration to the underlying principle of globalization and its effects. At the same time it is important to use our own potentials to deal with the problems generated as a result of globalization.

In this meaning, globalization persists to be portrayed as an independent historical influence, overpowering our social, political and economic structures and leaving us in debilitated as agents facing inevitable change. Likewise we are always fascinated by one of the globalizations' ostensibly elements: technology. Moreover, it is acknowledged that Globalization is a compound of technological, economic and political modernization that has radically lessen the difficulty of economic, political and cultural swap.

In fact the problem is not with globalization but with how it has been tackled. And it is unfortunate that Globalization at present is not proved effective for the deprived population of the world. Similarly it is not working significantly for the natural environment and for the firmness of the global financial system. Therefore the fact is poverty has increased as incomes have reduced.

آج اکیسویں صدی کے دہانے پر انسان کا سفر ایک عالمی معاشرے کی صورت میں جادۂ تاریخ پر جاری و ساری ہے۔ عالمی معاشرہ وجود میں آ رہا ہے۔ دنیا سمٹ کر ایک بڑے سے گھر کے صحن کی صورت اختیار کر رہی ہے جہاں مختلف رنگ، نسل، مذہب، زبان اور ثقافت کے لوگ ایک دوسرے سے کسی حد تک باخبر رہ کر زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ ایک منظر نامہ ہے جس کے خدو خال صاحبانِ علم و عقل کے اذہان میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس حوالے سے فی زمانہ کرۂ ارض کے انسان اپنی زندگی کے ہر پہلو میں قابلِ ذکر تبدیلیاں محسوس کر رہے ہیں۔ ان تبدیلیوں پر غور کرنا اور انہیں سمجھنا ضروری ہے۔ تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے بہتر زندگی کے منصوبہ بندی کی جا سکے۔

مغرب میں علوم کی نشاۃ الثانیہ اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے صنعتی انقلاب نے موجودہ عالمگیریت کی راہ ہموار کی اور ٹیکنالوجی کی تیز رفتار ترقی نے انسانی زندگی کے شب و روز میں جس انداز سے تبدیلی پیدا کی ہے وہ اس سے قبل تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ صرف سو سال کے اندر اندر زندگی کی ہر بساط پر نئے نئے مہرے نظر آنے لگے ہیں جن کی چالوں سے واقف ہوتے ہوتے بھی عمر گزر جاتی ہے۔ فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کرنے کے زعم میں انسان نے طاقتور مشینیں بنائیں، مہلک ہتھیار ایجاد کیے، فضاؤں پر تسلط قائم کیا اور اپنی اس طاقت کو آزمانے کے لیے اور خود کو ناقابلِ شکست ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے تجربے کیے۔

عالمگیریت کو درپیش مسائل میں موسموں کی تبدیلی، وبائی بیماریاں، تنازعے، دہشت گردی، خوف، بھوک، غربت، تعلیم تک رسائی، اقتصادی عدم استحکام، حکومت اور بدحوانی، ناقص غذا، ہجرت اور نقل مکانی، صفائی اور پینے کے صاف پانی کی فراہمی، تجارتی پابندیاں، سبسڈی، جنگ، اپنے کارخانوں میں تیار شدہ اسلحے کو ٹھکانے لگانے کے لیے بہانے سے مختلف ممالک پر حملے، وسائل پر قبضہ اور نوآبادیاتی نظام کے بدلے ہوئے چہرے کی شناخت کا عمل شامل ہے۔ ان تمام مسائل کو سمجھے اور ان کے حل کا حصہ بننے کی صلاحیت کے بغیر آج کا کوئی انسان باعزت طریقے سے زندگی کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ مادیت پرستانہ رویوں کے عام ہوجانے کی وجہ سے عزت اور ذلت کے معیار بھی بدل گئے ہیں۔ آج وہی معزز ہے جو دولت مند ہے۔ علم، تقویٰ، پرہیزگاری اور اخلاق کی اقدار اپنی وقعت کھو رہی ہیں اور مادی دولت ہی عزت کا معیار ہے۔

عالمی معاشرے کے تشکیل پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں قابل ذکر تبدیلیاں آئی ہیں۔ کرہ ارض سمٹ کر رہ گیا ہے اور اس کے باسی اب ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہیں۔ مشرق و مغرب کی خبریں لمحہ بہ لمحہ سب کو مل رہی ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی حیرت انگیز طاقت کے زیر اثر آج ہم سب ایک ہی شہر کے باشندوں کی طرح ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہیں لیکن یہ واقفیت اپنی جگہ، ہم اس عالمی معاشرے کا شہری ہونے کے ناطے طرح طرح کے مسائل کا شکار ہیں۔ معاشرتی اور سماجی رنگ تیزی سے بدل رہے ہیں۔ خاندانی نظام میں تبدیلی آ رہی ہے۔ لسانی اور نسلی مسائل بطور خاص اُن لوگوں کو درپیش ہیں جو کسی بھی وجہ سے نقل مکانی کر کے دوسرے ملک چلے جاتے ہیں۔ اپنی زمین اور اپنے لوگوں سے دور اپنی تہذیب اور ثقافت سے اپنا رشتہ توڑ کر یہ لوگ اپنے مستقبل کو سنوارنے کا خواب دیکھتے ہیں۔ اپنی زبان ان کے بچوں کی زبان نہیں ہوتی اور اپنا کلچر ان کے پیچھے کہیں دور رہ جاتا ہے اور یوں اپنی پہچان کھو کر یہ ایک روبوٹ کی مانند مشینی انسان بن کر رہ جاتے ہیں۔

مذہبی اور گروہی حوالے سے بھی عالمی شہری ایک معذرت خواہانہ رویے کو اپنانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ خاص طور پر ۱۱/۹ کے بعد مغربی ممالک میں مسلمانوں کو جس قسم کے رویوں

کا سامنا ہے وہ اُن کی روزمرہ زندگی کی مشکلات میں اضافہ کرتا ہے۔ میڈیا جس قسم کا پروپیگنڈہ کرتا ہے سب اُسی کا شکار ہوجاتے ہیں۔

تہذیبیں آپس میں متصادم ہیں حکمرانوں کے سامنے بڑے بڑے مسائل ہیں جن کے حوالے سے طویل المدتی منصوبوں کو تشکیل دینا اور اُن پر عمل درآمد کروانا ایک کارِ دارد ہے۔

عالمگیریت نے ۳½ دہائیاں قبل اپنا چہرہ دکھانا شروع کیا لیکن آج تک انسانی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ اس کو سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کے خدوخال مسائل کی شکل میں ہمارے گھروں کے در و دیوار پر منڈلاتے نظر آتے ہیں لیکن اس کی وجوہات، اثرات اور نتائج کو سمجھنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا اس سے نبرد آزما ہونا۔ اس سے قبل کہ اس دنیا کا ہر انسان خود کو عالمی معاشرے کے صحن میں یکا وتنہا پائے، اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ جان آرٹ شالٹے اس حوالے سے لکھتے ہیں:

Globalisation has had multi-faceted causal dynamics with the principal spurs having come from rationalist knowledge, capitalist production, various technological innovations and certain regulatory measures.

but

Globalisation has prompted important changes to certain attributes of capital, the state, the nation, the modern rationality.(1)

ترجمہ: عالمگیریت کے متعدد پہلو ہیں جن میں سے سب سے زیادہ اہم وجوہات عقلی علوم سرمایہ دارانہ پیداوار، مختلف تکنیکی ایجادات اور کچھ قوانین ہیں۔ لیکن عالمگیریت نے سرمایہ داری، ریاست، قوم اور عقلی علوم میں اہم تبدیلیاں کی ہیں۔

اس ضمن میں جوزف ای اسٹگلز لکھتے ہیں:

What is the phenomenon of Globalisation that has been subject at the same time to such vilification and such prais? Fundamentaly it is the closer integration of the countries and people of the world which has been brought about by the enormous reduction of costs of transportation and communication and the breaking down of artificial